جولائی ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

فریضہ اقامت دین

کے لئے مطلوبہ جماعت کے لازمی اوصاف

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار ا

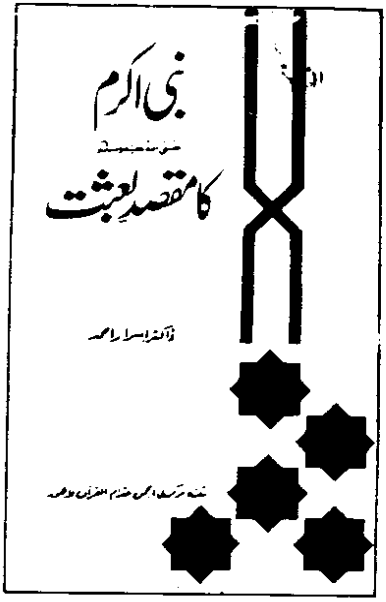

اشاعتِ خاص -/۲۰ روپے، عام -/۱۰ روپے

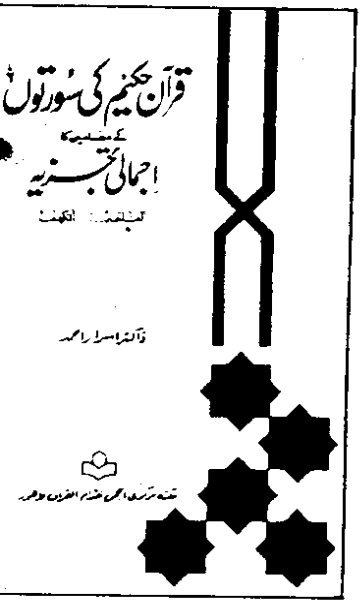

اشاعتِ خاص-۴۵ روپے، عام-۲۵ روپے

اشاعتِ خاص-/۱۶ روپے، عام -/۱۰ روپے

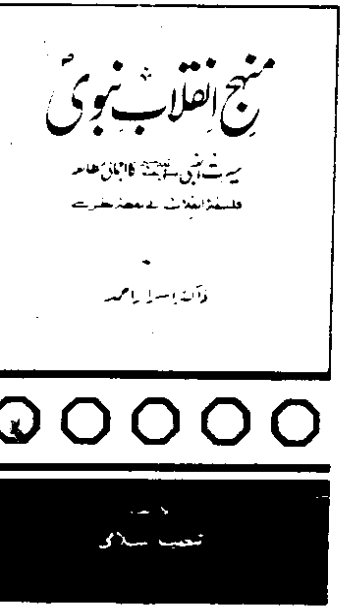

اشاعت عام - ۲۷ روپے

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ : اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۷
شمارہ :	۷
ربیع الاول	۱۴۱۹ھ
جولائی	۱۹۹۸ء
فی شمارہ	-/۱۰
سالانہ زر تعاون	-/۱۰۰

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

○ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ	22 ڈالر (800 روپے)
○ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا یورپ' جاپان	17 ڈالر (600 روپے)
○ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق الجزائر' مصر	10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور' فون : 6305110

پبلشر : ناظم مکتبہ' مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری' مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ________ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ پریس ریلیز ________ ۵

ایٹمی دھماکے پر تبصرہ اور دینی دھماکے کی ضرورت

امیر تنظیم اسلامی کے ۲۹ مئی کے خطاب جمعہ کے اہم نکات

☆ تذکرہ و تبصرہ ________ ۷

فریضہ اقامت دین کی اہمیت

اور اس کے لئے مطلوبہ جماعت کے لازمی اوصاف

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ ایمانیات ثلاثہ ________ ۳۲

اصل حاصل اور باہمی تعلق

رحمت اللہ بٹر

☆ شہید مظلوم (۴) ________ ۳۹

حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ فکر عجم (۱۰) ________ ۴۷

عہد قاچاریہ : فکری اور سیاسی تبدیلیوں کا دور

ڈاکٹر ابو معاذ

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار (۵) ________ ۶۹

علامہ محمد صالح المنجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

مطالبۂ تکمیل دستورِ خلافت ـــ ملک گیر کنونشن کا انعقاد

جون کا پورا مہینہ ملکی و ملی اعتبار سے نہایت بھرپور اور ہنگامہ خیز رہا۔ ۲۸ مئی کے کامیاب ایٹمی تجربے کے بعد جو میاں نواز شریف کے اس جرأت مندانہ فیصلہ کا نتیجہ تھا جس کی پشت پر زبردست عوامی دباؤ اور حالات کا جبر کارفرما تھا' نہ صرف یہ کہ پورے ملک میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی بلکہ پورے عالم اسلام میں پاکستان کی خصوصی حیثیت اور مقام کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر خراج تحسین پیش کرنے اور یکجہتی کے اظہار میں بھی کسی بخل سے کام نہ لیا گیا۔ بالخصوص سعودی عرب' ایران اور افغانستان کی حکومتوں کی جانب سے تائیدی بیانات اور تعاون کی یقین دہانیاں نہایت حوصلہ افزا تھیں ـــــ اس موقع پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ' نے جہاں اس جرأت مندانہ فیصلے پر میاں نواز شریف صاحب کو مبارکباد کا پیغام دیا' وہاں ساتھ ہی ملک میں نفاذ شریعت کی خاطر دستور میں قرآن و سنت کی بالادستی کے قیام اور سودی نظام کے فوری خاتمے کا مطالبہ بھی نہایت زوردار انداز میں پیش کیا۔ امیر تنظیم نے یہ مطالبہ ایک نمایاں اخباری اشتہار کی صورت میں حکومت وقت اور عوام کے سامنے رکھا جس میں نفاذ شریعت کیلئے "خالص دینی دھماکہ" کی اصطلاح کو اختیار کر کے اس کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا گیا تھا ـــــ الحمدللہ کہ "دینی دھماکہ" کی یہ اصطلاح زبان زدِ خاص و عام ہو گئی اور قریباً تمام مذہبی و دینی طبقات کی جانب سے دینی دھماکے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔

اس صورتحال کو سازگار پاتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے ۵ جون کے خطاب جمعہ میں یہ خیال پیش فرمایا کہ تنفیذ و نفاذ شریعت کے موضوع پر تمام دینی جماعتوں کا ایک ملک گیر کنونشن بلانا چاہئے تاکہ اس معاملے کو بھی ایک بھرپور عوامی مطالبے کی صورت میں اٹھایا جا سکے۔ امیر تنظیم نے امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد صاحب کو مشورہ دیا کہ جماعت اسلامی چونکہ ایک بڑی جماعت ہے جس کے وسائل بھی زیادہ ہیں اور چونکہ قیام پاکستان کے معاً بعد "مطالبہ دستورِ اسلامی" کی مہم چلانے کی سعادت جماعت اسلامی ہی

کے حصے میں آئی تھی لہٰذا مناسب یہی ہے کہ قاضی صاحب اس کنونشن کا اہتمام کریں اور اس معاملے میں قائدانہ رول ادا کریں۔ محترم قاضی صاحب نے بعض وجوہات کی بنا پر کنونشن کے انعقاد سے معذرت کی۔ تاہم انہوں نے اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ کنونشن بلائیں۔ محترم قاضی صاحب کے مشورے سے ۲۸ جون کا دن کنونشن کے لئے مقرر کیا گیا ـــــ تنظیم اسلامی نے ملک کی تمام نمایاں دینی جماعتوں کے سربراہان سے رابطہ کر کے انہیں کنونشن میں شرکت کی دعوت دی اور بحمد اللہ ان کے تعاون سے ۲۸ جون کو یعنی ایٹمی دھماکے کے ٹھیک ایک ماہ بعد' اس ملک گیر کنونشن کا انعقاد عمل میں آیا' جو بہت سے اعتبارات سے غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کنونشن کی تفصیلی باتصویر روداد تو "ندائے خلافت" کے آئندہ شمارے میں شائع کی جائے گی' تاہم ذیل میں ہم ان دینی جماعتوں کے سربراہان کے نام درج کئے دیتے ہیں جو اس جلسے میں شریک ہوئے اور وسیع و عریض قرآن آڈیٹوریم میں جہاں سامعین کی کثرت کے باعث تل دھرنے کو جگہ باقی نہ تھی' موضوع زیر بحث پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور مجوزہ "یک نکاتی" مطالبہ کے حق میں یک آواز ہو کر سرگرم عمل ہونے کے عزم کا اظہار کیا۔ اس جلسہ میں شریک زعمائے ملت میں سے معمر ترین اور بزرگ ترین دینی رہنما مولانا عبدالستار خان نیازی تھے۔ ان کے علاوہ محترم قاضی حسین احمد' مولانا محمد اکرم اعوان' علامہ سید ساجد نقوی' پروفیسر ساجد میر' مولانا مختار گل اور مولانا معین الدین لکھوی نے بھی شرکت فرمائی۔ بنگلہ دیش سے ایک عالم دین مولانا ثمیر الدین غازی پوری بھی بطور مبصر اس جلسہ عام میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔

اعلان داخلہ ـــــ قرآن کالج لاہور

ایف اے اور آئی کام میں نئے داخلے جولائی کے آخری ہفتے میں ہوں گے

ان والدین کے لئے جو خواہش رکھتے ہوں کہ ان کا برخوردار سنجیدہ' باوقار اور بامقصد تعلیم حاصل کرے' قرآن کالج مناسب ترین ادارہ ہے!

رابطہ کیجئے : 191۔ اناترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ۔ فون : 5833637

پریس ریلیز

ایٹمی دھماکے پر تبصرہ اور "دینی دھماکے" کی ضرورت پر

امیر تنظیم اسلامی کا اظہار خیال ـــــ (۲۹/ مئی کے خطاب کے اہم نکات)

- اللہ تعالیٰ کا تہہ دل سے شکر ادا کرنا مسلمانان پاکستان پر واجب ہے کہ اُس نے ملک و قوم کے اعتبار سے اس انتہائی نازک اور اہم موقع پر وزیر اعظم پاکستان کو صحیح اور جرأت مندانہ فیصلہ کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائی۔ اللہ کی جناب میں ہدیہ تشکر ادا کرنے کے بعد میاں محمد نواز شریف پوری قوم کی طرف سے مبارک باد اور شکریئے کے مستحق ہیں کہ جنہوں نے شدید عالمی دباؤ کے باوجود پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے کا جرأت مندانہ اقدام اٹھایا۔
- ایٹمی صلاحیت کا کامیاب مظاہرہ کرنے سے پاکستان نے نہ صرف اپنے ازلی اور انتہا پسند دشمن بھارت کا حساب چکا دیا ہے بلکہ اسلامی دنیا کی طرف سے "فرض کفایہ" بھی ادا کر دیا ہے۔
- یہ درست ہے کہ ایٹمی دھماکوں کے بعد اب ہم پر ہر طرف سے معاشی پابندیاں عائد کر دی جائیں گی اور پاکستانی قوم کو سخت اور کٹھن حالات سے گزرنا ہو گا لیکن قرآن کے بیان کردہ اصول کے "سختی کے ساتھ ہی آسانی ہے" کے مطابق اگر اللہ کی مدد ہمارے شامل حال رہی تو اسی سختی کے بعد آسانی اور خوشحالی کا دور آئے گا۔
- اللہ کی مدد کے حصول کا یقینی راستہ یہ ہے کہ ملک خداداد پاکستان میں اللہ کے دین کو غالب و نافذ کیا جائے جس کے ابتدائی قدم کے طور پر پاکستان کے دستور میں قرآن و سنت کی بالادستی کو یقینی بنانے کے لئے فوری طور پر دستور میں ضروری ترامیم کی جائیں اور سود کے خاتمہ کا اعلان کیا جائے۔ اس مبارک کام کے لئے اس وقت حالات نہایت سازگار ہیں جن سے فائدہ نہ اٹھانا بہت بڑی غلطی ہو گی۔
- ایٹمی صلاحیت کا حامل پاکستان جو پہلے بھی بعض اعتبارات سے عالم اسلام کی فکری قیادت کے منصب پر فائز تھا اب عسکری و دفاعی لحاظ سے بھی پوری اسلامی دنیا کا قائد بن گیا ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ پاکستان کا تیار کردہ بم درحقیقت "اسلامی بم" ہے، جو وقت آنے پر یہود و ہنود کے گھناؤنے اور مکروہ عزائم کو خاک میں ملا دے گا۔
- احادیث نبویہؐ میں بیان کردہ پیشین گوئیوں کے ظہور کا وقت جلد آنے والا ہے اور مشرق وسطیٰ میں ایک بہت بڑی جنگ کی بھٹی عنقریب گرم ہونے والی ہے جس کے آخری مراحل میں یہود

اور مسلمانوں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوں گے۔ یہود کا قائد دجال ہوگا اور مسلمان حضرت مہدی کے زیر قیادت جنگ کریں گے جن کی مدد کے لئے حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا چنانچہ بعض احادیث کے مطابق جن دو اسلامی لشکروں کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا' ان میں سے ایک لشکر وہ ہوگا جو ہندوستان پر حملہ آور ہوگا اور دوسرا اسلامی لشکر وہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کرے گا۔

- یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان اور افغانستان اس مرحلے پر فیصلہ کن رول ادا کر سکیں گے۔ چنانچہ ان کے مابین دوستانہ اور قریبی تعلقات قائم کرنے کے لئے دونوں ممالک کے درمیان کنفیڈریشن قائم کی جائے۔ پاکستان اور افغانستان کی مشترکہ اسلامی افواج نہ صرف بیت المقدس کو اسرائیل کے غاصبانہ قبضے سے آزاد کرائیں گی بلکہ اسلام کے عالمی غلبہ کے لئے بھی ہراول دستہ کا کردار ادا کریں گی۔
- انتہاپسند ہندو جس کی نمائندگی بھارت کی حکمران جماعت بی جے پی کر رہی ہے' پاکستان اور اسلام دشمنی کی آگ میں جل رہا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان نظریاتی جنگ ابھی جاری ہے چنانچہ دو قومی نظریئے کی بنیاد پر قائم ہونے والے ملک کو دینی جذبے کے ذریعے ہی ناقابل تسخیر قوت بنایا جا سکتا ہے۔
- لہٰذا ضروری ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف ایٹمی دھماکوں کے بعد ملک کو مکمل طور پر اسلامی بنانے کے لئے قرآن و سنت کی بالادستی کا اعلان کر کے "خالص دینی دھماکہ" بھی کریں تاکہ پاکستان اسلام کے عالمی غلبہ میں اپنا "مجوزہ و موعودہ" کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔
- اگر میاں محمد نواز شریف ایٹمی دھماکہ کر کے امریکی دباؤ مسترد کرنے کی طرح نفاذ اسلام کے ضمن میں بھی عالمی دباؤ کو نظر انداز کر کے پاکستان کو مثالی اسلامی ریاست بنا دیں تو پاکستان ہر لحاظ سے عالم اسلام کا ایک ناقابل تسخیر قلعہ بن جائے گا۔
- امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی جانب سے عائد کردہ پابندیاں ملک و قوم کے لئے عارضی اور وقتی آزمائش ثابت ہوں گی۔ قومی سطح پر ان مشکلات کو برداشت کرنے سے نہ صرف بے پناہ قومی جذبہ پیدا ہوگا بلکہ قوم کی خوابیدہ اور پوشیدہ صلاحیتیں بھی پروان چڑھیں گی۔ خود کفالت کی منزل کی جانب پیش قدمی کے لئے غیر ملکی "ایڈ" کا بند ہونا ملک و قوم کے لئے بہترین ذریعہ اور غیر معمولی نعمت ثابت ہوگی۔

فریضۂ اقامتِ دین

کی اہمیت اور اس کے لئے

مطلوبہ جماعت کے لازمی اوصاف

امیر تنظیم اسلامی کا ۱۳/ فروری ۹۸ء کا خطاب جمعہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ﴾ (التوبۃ : ۱۱۹)

﴿ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (المجادلۃ : ۲۲)

﴿ ... فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (المائدۃ : ۵۶)

﴿ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾ (الصف : ۴)

وعن عمر ؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ((عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَاِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَۃَ ' فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ)) (رواہ الترمذیؒ)

وعن عبداللّٰہ ابن عمر (رضی اللّٰہ عنہما) قال قال رسول اللّٰہ ﷺ : ((یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ)) (رواہ الترمذی)

وعن الحارث الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :

((اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ : بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ))

(رواہ احمد والترمذیؒ)

وعَن عُمر رضی اللہ عنہ موقوفًا : ((لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ وَلَا جَمَاعَۃَ بِالْاِمَارَۃِ' وَلَا اِمَارَۃَ اِلَّا بِالسَّمَاعَۃِ' وَلَا سَمَاعَۃَ اِلَّا بِالطَّاعَۃِ))

او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ

آج کے موضوع پر گفتگو سے قبل اس سال عید الفطر کے موقع پر باغ جناح کے مختصر خطاب' اسی روز قرآن اکیڈمی کے خطاب جمعہ اور پھر مسجد دارالسلام میں گزشتہ جمعہ کے خطاب میں جو باتیں عرض کی گئی تھیں ان کا لبِّ لباب یاد دہانی کے لئے عرض ہے۔

میں نے پاکستان کے خصوصی حالات کے حوالے سے عرض کیا تھا کہ اس کے مستقبل' اس کی سالمیت اور اس کے وجود کے بارے میں واقعتاً بڑے شدید خطرات لاحق ہو چکے ہیں' جس کے نتیجے کے طور پر وہ شخص جو اولاً اپنے فرائض دینی کا شعور حاصل کر چکا ہو' ثانیاً وہ قیامِ پاکستان کا قائل ہو کہ اس کا قیام ایک درست اقدام تھا اور جو یہ سمجھتا ہو کہ قیامِ پاکستان درحقیقت احیاءِ اسلام کے سلسلے کی ایک کڑی ہے' اس کے لئے لازم ہے کہ "ففِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ" (دوڑو اللہ کی جانب) کے انداز میں پاکستان میں نظام اسلامی کی جدّوجہد کے لئے کمربستہ ہو جائے اور تن من دھن اس کے لئے وقف کر دے' اور اس کے لئے کسی نہ کسی جماعت میں ضرور شامل ہو۔ میں نے یہ بات موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں کہی تھی اور ان حالات کے پیش نظر میں نے عرض کیا تھا کہ پاکستان کا ہر وہ باشعور مسلمان جسے پاکستان سے محبت ہے' جو تاحال یہ سمجھتا ہو کہ پاکستان کا بننا درست تھا' اسے پاکستان میں نفاذِ اسلام کی جدّوجہد کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر مجھ جیسے بھی کچھ لوگ ہیں جنہیں آپ خواہ مجنون یا پاگل کہہ لیں' لیکن جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان کا قیام عالمی سطح پر اسلام کے غلبے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک طویل تدبیر کی ایک کڑی

ہے۔ جو لوگ بھی اس تصور کے حامل ہوں انہیں تاخیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ حالات بڑی تیزی کے ساتھ دگرگوں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ "فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ" (دوڑو اللہ کی جانب) کے انداز میں اس فرض کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے۔

مزید برآں کراچی میں دورۂ ترجمۃ القرآن کی اختتامی تقریب اور پھر لاہور آ کر رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو میں نے دوبارہ اسی موضوع پر جو خطاب کیا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستانی مسلمان ہونے کے ناتے تو ہمارے لئے اب لازم ہے کہ بلا تاخیر کمرِ ہمت کس لیں اور تن من دھن لگانے کے لئے تیار ہو جائیں۔ لیکن اس سے علیحدہ رہتے ہوئے ماورائے زمان و مکان ہر مسلمان خواہ وہ کہیں بھی ہو' خواہ تنہا ہو' کسی ملک میں اقلیت میں ہو یا اکثریت میں' آج ہے یا سو برس پہلے تھا' زمان و مکان کی تمام حدود و قیود سے ماوراء ہو کر بندۂ مومن کے فرائض اور اس کی دینی ذمہ داری میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ البتہ حالات کے تقاضوں کے اعتبار سے اس میں مزید سنگینی پیدا ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ لیکن بنیادی طور پر ایک بندۂ مومن کا فرض اور اس کی بنیادی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اس حوالے سے عام طور پر میں ایک سہ منزلہ عمارت کا نقشہ اور اس حوالے سے بندۂ مومن کے دینی فرائض کے تین درجے بیان کرتا رہا ہوں۔

i) عبادتِ رب یا بندگیٔ رب : یعنی اپنی پوری زندگی میں اللہ کی اطاعت اس کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اختیار کی جائے۔

ii) دعوت و تبلیغ : اسی کے لئے مزید اصطلاحات امر بالمعروف و نہی عن المنکر' دعوت الی اللہ اور شہادت علی الناس ہیں۔

iii) اقامتِ دین : یہ اس سلسلے کی بلند ترین منزل ہے۔ یعنی دین کو ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کرنا۔

بندۂ مومن پر اللہ کا حق

یہ تو میرا عام طور پر بیان کا اسلوب رہا ہے' لیکن ایک اور اعتبار سے یہ بات ایک

نئے انداز سے بیان کی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے پہلے ہمیں قرآن مجید کے حوالے سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ بندۂ مومن پر اللہ کا حق کیا ہے؟ اس مضمون کے اعتبار سے سورۃ الزمر بہت ہی اہم سورت ہے' جس میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی بندگی کرو' اللہ کی عبادت کرو' اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا : ﴿ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴾ "کہہ دیجئے مجھے تو یہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اپنی اطاعت کو کلیتہً اس کے لئے خالص کرتے ہوئے"۔ یہی بات سورۃ البیّنۃ میں بایں الفاظ آئی ہے : ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ ﴾ "انہیں اسی بات کا حکم ہوا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اس کے لئے اپنی پوری اطاعت کو خالص کرتے ہوئے' یکسو ہو کر"۔

اب ظاہر بات ہے اگر ہم اللہ تعالیٰ کے لئے اطاعت خالص کرنا چاہیں لیکن ہم نظام باطل کے تحت سانس لے رہے ہوں تو ہم صرف جزوی طور پر اللہ کی اطاعت کر سکتے ہیں' کلّی طور پر نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی کا جو اجتماعی پہلو ہے وہ تو نظام کے تابع ہے' بلکہ نظام میں جکڑا ہوا ہے۔ ہمارا عدالتی نظام' ہمارا قانونی نظام' ہمارا معاشی نظام' ہماری معاشرتی اقدار سب کی سب ہمارے اختیار میں نہیں ہیں' وہ اُس نظام کے تابع ہیں جو اِس وقت یہاں قائم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بہت بڑھ کر کوشش کر رہا ہو گا تو بھی دس فیصد اللہ کی اطاعت کر رہا ہو گا۔ ہماری زندگی کا باقی ۹۰ فیصد اجتماعی نظام کے تحت ہے۔ چنانچہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام کو قائم کیا جائے' ورنہ "مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ" والی اطاعت نہیں ہو سکتی۔

سورۃ الزمر سے اگلی سورت سورۃ المؤمن میں دعا کا یہ تصور دیا گیا ہے : ﴿ فَادْعُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ﴾ یعنی "پس اللہ کو پکارو' اس کے لئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔" دعا عبادت کا جوہر ہے۔ ایک حدیث میں دعا کو عبادت کا مغز اور دوسری میں اسے عین عبادت قرار دیا گیا ہے : ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ)) اور ((اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ))۔ یہ مضمون قرآن مجید کی جن چار سورتوں میں آیا ہے وہ چار سورتیں ایک سیریز میں آئی ہیں' سورۃ الزمر' سورۃ المومن' حٰمٓ السجدۃ (یا سورۂ فُصِّلت) اور پھر سورۃ الشوریٰ۔ ان سورتوں

میں ایک ترتیب اور تدریج کے ساتھ اس مضمون کا ارتقاء ہوا ہے۔ سورۃ الزمر میں' جیسا کہ عرض کر چکا ہوں' اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اس کی بندگی کرنے کا حکم ہوا ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ اور سورۃ المومن میں فرمایا : ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ یعنی اللہ سے دعا کرنی ہے تو پہلے اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرو۔ یہ طرز عمل قابل قبول نہیں ہے کہ دعا تو اللہ تعالیٰ سے کر رہے ہیں جبکہ اللہ کے لئے ہماری اطاعت صرف جزوی اطاعت ہے' باقی پوری زندگی میں ہم غیر اللہ اور طاغوت کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اس صورتحال میں دعا ہمارے منہ پر دے ماری جاتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ۱۹۷۱ء میں ہمارے سامنے آئی تھی جب یہاں مساجد میں کئی روز تک مسلسل قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی رہی۔ مزید برآں حرمین الشریفین میں پاکستان کی حفاظت اور سالمیت کی خاطر دعائیں مانگی جاتی رہیں' لیکن وہ ساری دعائیں پوری دنیا کے مسلمانوں کے منہ پر دے ماری گئیں اور پاکستان دولخت ہو گیا اور تاریخ کی عظیم ترین شکست کی صورت میں کلنک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر لگ گیا۔ اس لئے کہ دعا کرنے والے "مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" نہیں تھے۔ ان کی اطاعت اللہ کے لئے خالص نہیں تھی۔

سورۃ المومن کے بعد سورۂ حٰمٓ السجدۃ کا مرکزی مضمون "دعوت الی اللہ" ہے۔ ارشاد ہوا : ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ "اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل صالح پر کاربند رہے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں"۔ دعوت الی اللہ کے لئے شرط لازم یہ ہے کہ اس کا سب سے پہلا نکتہ ہی اللہ کی توحید ہو۔ جس کی مثال سورۂ یوسف میں آئی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں اپنے ساتھیوں سے گفتگو اور تبلیغ کا ایک موقع ملا تو پہلی بات ہی یہ کہی: ﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ.... اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ "اے میرے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟.... حکم (فیصلے' حکومت اور حاکمیت) کا حق کسی کا نہیں ہے سوائے اللہ کے' اور اُس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کی جائے۔ یہی

سیدھا اور پختہ طریق زندگی ہے"۔ چنانچہ دعوت الی اللہ کا اصل جوہر بندگیٔ رب کی دعوت ہے۔ اور اس کے لئے لازم ہے کہ انسان ان دو منزلوں سے گزر چکا ہو۔ یعنی اس کی دعا بھی "مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ" ہو اور اس کی عبادت بھی "مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ" ہو۔

اگلی سورت سورۃ الشوریٰ میں اس مضمون کی اعلیٰ ترین سطح بیان ہوئی ہے : ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ "کہ دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں متفرق نہ ہو جاؤ"۔ یہ توحید کا بلند ترین تقاضا ہے کہ اجتماعی نظام کی سطح پر توحید کو قائم کرنا' اور دین کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے برپا کرنا۔ تو یہ ہے اللہ کا ہم پر حق۔

اُمّت پر رسول اللہ ﷺ کا حق

اس کے بعد ہم پر دوسرا بڑا حق اللہ کے رسول ﷺ کا ہے' جن کے ذریعے سے ہمیں ہدایت موصول ہوئی' جن کی محنتوں اور مشقتوں اور ان کے ساتھیوں کی قربانیوں کے صدقے میں آج ہم نماز پڑھتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں اور انہی کی جدوجہد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں۔ آنحضور ﷺ کا جو حق ہم پر ہے وہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں بیان فرمایا تھا کہ میں صرف تمہارے ہی لئے نبی یا رسول بن کر نہیں آیا' میں تو پوری دنیا کے لئے' پوری نوع انسانی کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم میں دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا گیا ہے : ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ "اے نبیؐ ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے"۔ لہٰذا آپؐ نے اپنے الوداعی خطبہ میں یہ ذمہ داری اُمت کے سپرد فرما دی۔ آپؐ نے حاضرین سے گواہی بھی لی۔ پوچھا : ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) کیا میں نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا یا نہیں؟ اس پر پورے مجمع نے بیک زبان کہا : "اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ۔" ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ تفصیل آئی ہے : "اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ" یعنی اے نبی! ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حق رسالت ادا کر دیا' حق امانت ادا کر دیا۔ اُمت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور ساری گمراہیوں کے پردے چاک کر کے ہدایت کی روشنی کو مبرہن کر دیا۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی

اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا ، ((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ!))"اے اللہ تو بھی گواہ رہ"۔ یہ مان رہے ہیں کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد حاضرین سے فرمایا : ((فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ)) "پس جو موجود ہیں اب یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ اسے ان تک پہنچائیں جو موجود نہیں ہیں"۔ اس پہنچانے کی ذمہ داری کے کم سے کم دو تقاضے ہیں۔

پہلا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کی دعوت ہر فردِ نوع بشر تک پہنچا دینا' یہ اُمت کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ قرآن کا پہنچا دینا رسالتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کا پہنچا دینا ہے۔ سورۃ الانعام میں فرمایا گیا : ﴿ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ ﴾ "(اے نبی ان سے کہہ دیجئے) یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے تمہیں خبردار کر دوں اور جس تک یہ پہنچ جائے۔" اور اسے پہنچانے والے کون ہوں گے؟ اس کے لئے آپؐ کا واضح حکم ہے : ((فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ)) اسی طرح آپؐ کا دوسرا ارشاد گرامی ہے ((بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ آیَۃً)) "پہنچا دو میری طرف سے خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔" یہ حکم ہر خاص و عام کے لئے ہے۔

دوسرا تقاضا یہ ہے کہ کم سے کم کسی ایک ملک میں اللہ کا نظام عملاً قائم کر کے دنیا کو دکھا دیا جائے کہ یہ ہے دینِ حق جسے محمدؐ رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے۔ اس طرح پوری دنیا کو دعوت دی جائے کہ آؤ اپنی آنکھوں سے دیکھو' یہ ہے اللہ کا دین' یہ ہے اس کی سیاست' یہ ہے اس کی معاشی زندگی' یہ ہے اسلامی اخوت' یہ ہے مسلم برادری' یہ ہے اسلامی قانون' یہ ہے اسلامی مساوات اور عدالت میں برابری' یہ ہے کفالتِ عامہ کا نظام۔ اگر یہ ہم نہیں دکھا سکتے تو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا وہ حق ادا نہیں ہو سکتا جو ہمارے ذمہ ہے۔ یہ دو تقاضے ہیں جو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے حق کی ادائیگی کے لئے پورے کرنے ہیں۔ یہ تمام تقاضے جا کر اس نقطے پر مرکوز ہو رہے ہیں کہ دین کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کیا جائے۔

اُمّتِ مسلمہ کے ذِمّے نوعِ انسانی کا حق

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حق کے بعد حقوق العباد کا معاملہ آتا ہے۔ ان میں

سے ایک حقوق تو وہ ہیں جو ہم عام طور پر گنتے ہیں۔ یعنی حقوق الوالدین' حقوقِ زوجین' اولاد کے حقوق اور پڑوسی کے حقوق وغیرہ' لیکن ہمیں ذرا بڑے پیمانے پر جائزہ لینا چاہئے کہ اُمت کے ذمے نوع انسانی کے بالعموم حقوق کیا ہیں؟ وہ یہ کہ نوع انسانی کو جبر و تشدد اور ظلم و استحصال کی تمام زنجیروں سے آزاد کرکے وہ عادلانہ نظام زندگی جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس کی برکتوں سے بہرہ ور کرنے کی سعی و جہد کرنا۔ اگر یہ ہم نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا جو حق ہم پر عائد ہوتا ہے پورا نہیں ہوگا۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ یعنی بنی اسرائیل کو یہ بشارت دی گئی تھی کہ جب محمد ﷺ آئیں گے تو منجملہ ان کی بہت سی شانوں اور خصوصیات کے' ایک یہ بھی ہوگی کہ نوعِ انسانی کے اوپر جو بوجھ لدے ہوئے ہوں گے اور ان کی گردنوں میں جو طوق پڑے ہوئے ہوں گے وہ انہیں ان سے نجات دلائیں گے۔ یہ ان کا فرضِ منصبی ہوگا۔ وہ نوع انسانی سے اس ظلم و استحصال' جبر و استبداد اور اس فرق و تفاوت کا خاتمہ کردیں گے کہ کوئی پیدائشی طور پر گھٹیا ہے اور کوئی پیدائشی طور پر اونچا ہے۔ اب یہ نہیں ہوگا کہ برہمن تو اونچا ہی رہے گا چاہے اپنے سیرت و کردار کے حوالے سے وہ کتنا ہی گھٹیا کیوں نہ ہو اور شودر نیچا ہی رہے گا چاہے سیرت و کردار کے اعتبار سے وہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو جائے۔ انسانوں کے مابین یہ مستضعفین اور مستکبرین کی تقسیم ختم ہوگی کہ کچھ لوگ ہیں کہ جو اختیارات اور حکومت کے مناصب سنبھال کر بیٹھ گئے' اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہیں دبا دیا گیا ہے اور انہیں اظہار خیال کی آزادی بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک طرف Haves ہیں اور دوسری طرف Have nots ـــــ ایک طرف استحصال ہو رہا ہے تو دوسری طرف دولت کے انبار لگے ہیں۔ ﴿ كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ﴾ کے برعکس دولت صرف امیروں کے مابین گردش کر رہی ہے۔ دولت کی تقسیم کا نظام ایسا نہیں ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات تک ان کا حصہ رسدی منصفانہ انداز سے پہنچ رہا ہو۔ یہ ظلم بلکہ ہر نوع کے ظلم کا خاتمہ بندۂ مومن کے فرائض میں شامل ہے۔

قرآن میں قیامِ عدل و قسط کی اہمیت

بدقسمتی سے یہ تیسری شے وہ ہے جو بہت چھپی ہوئی ہے۔ پہلی باتیں تو آپ نے بہت مرتبہ سنی ہوں گی۔ ہم نے خاص مذہبی تصورات اپنے ذہنوں میں راسخ کئے ہوئے ہیں' جبکہ دین اور فرائض دینی کا یہ پہلو ہمارے سامنے نہیں ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کو نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید کے نزدیک اس کی اہمیت کیا ہے۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں "قَائِمًا بِالْقِسْطِ" کا لفظ آیا ہے: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ "اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے' اور یہی گواہی فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ عدل و انصاف کا قائم کرنے والا ہے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے جو ننانوے نام بتائے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام "العَدل" ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا واحد نام ہے جو مصدر کے طور پر آیا ہے۔ باقی کوئی نام مصدر پر نہیں ہے' کوئی اسم الفاعل ہے' کوئی فَعَّال کے وزن پر ہے اور کوئی فَعُوْل کے وزن پر۔ "العَدل" کا مفہوم ہم اپنے الفاظ میں بیان کریں گے تو وہ ہوگا: مجسّم عدل' سراپا عدل۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لئے "مجسّم" اور "سراپا" کے الفاظ مناسب نہیں ہیں' لیکن چونکہ ہمارا ذخیرہ الفاظ محدود ہے لہٰذا ہم بات کو سمجھنے کے لئے ان الفاظ کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔

آگے چلئے' اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو کیوں بھیجا؟ کتابیں کیوں نازل کیں؟ سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں فرمایا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ "ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی (یہ کوئی ہمارا مشغلہ یا مشق بیکار نہ تھی بلکہ) اس لئے کہ لوگ عدل پر قائم ہوں"۔ یہ ہے مقصد انبیاء و رسل کی بعثت اور انزالِ کتب کا۔ اسی طرح حضور ﷺ کے بارے میں سورۃ الشوریٰ میں فرمایا گیا: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (اے نبی ڈنکے کی چوٹ کہہ دیجئے کہ میں صرف واعظ بن کر نہیں آیا' میں صرف معلم'

مربی' مبلغ اور مزکی بن کر نہیں آیا ہوں) "مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں۔"

اس سے آگے چلئے' حضور ﷺ کی اُمت کے لئے کیا ذمہ داری معین کی گئی ہے۔ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کی دو آیات فصاحت و بلاغت اور صنعتِ لفظی کے اعتبار سے بہت نمایاں مثال ہیں۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں فرمایا : ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ ﴾ "اے اہل ایمان! پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ' اللہ کے گواہ بن کر"۔ یہ کس سے کہا جا رہا ہے؟ ہمیں یہ تو یاد ہے کہ ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہم پڑھ رہے ہیں' لیکن یہ کس سے خطاب ہے کہ اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ! اللہ نے جو نظامِ عدل و قِسط دیا ہے اس کو برپا کرنے کے لئے پوری طاقت کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ! یہ مجھ سے اور آپ سے کہا جا رہا ہے۔ سورۃ المائدہ میں یہی حکم ترتیب بدل کر دیا گیا ہے : ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ﴾ "اے اہل ایمان! کھڑے ہو جاؤ پوری طاقت کے ساتھ اللہ کے لئے' انصاف کے گواہ بن کر!" اللہ کے لئے کھڑا ہونا چہ معنی دارد؟ مراد ہے اللہ کے نظام کو قائم کرنے کے لئے عدل و قسط کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ یہ ہے ہمارا حقوق العباد کا تصور۔

قرآن مجید کا ہم پر اہم ترین حق

اور یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ جو کتاب ہمیں دی گئی ہے' یعنی قرآن کریم' اس کا ہم پر کیا حق ہے؟ اگرچہ اس کا حق یہ بھی ہے کہ اس کو پڑھو' اس پر تدبر کرو' اس پر غور کرو لیکن اس کا سب سے آخری حق اسے قائم کرنا ہے۔ جس طرح اہلِ کتاب سے فرمایا گیا : ﴿ قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ ﴾ (المائدہ : ۶۸) "(اے نبی ان سے) کہہ دیجئے : اے کتاب والو تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو (تمہاری کوئی حقیقت نہیں' تمہارا منہ نہیں ہے کہ ہم سے مخاطب ہو سکو' ہم سے دعا کرو) جب تک کہ تم قائم نہ کرو تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف

تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔" اب یہاں "کتاب" کی جگہ "قرآن" رکھ کر دیکھئے : ﴿یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا الْقُرْاٰنَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ﴾ "اے اہل قرآن' تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک تم قرآن کو قائم نہ کر لو اور جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ اُس وقت تک تمہارا منہ نہیں ہے کہ ہم سے بات کرو۔

وطنِ عزیز کی سالمیت کا تقاضا

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ)) یعنی "دین تو نام ہی وفاداری اور خیر خواہی کا ہے"۔ پوچھا گیا : لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ "اے اللہ کے رسول! کس کی وفاداری اور کس کی خیر خواہی؟" آنحضور ﷺ نے فرمایا : ((لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ)) "اللہ' اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری اور مسلمانوں کے قائدین اور عوام کی خیر خواہی"۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ ہم پر اللہ کا حق کیا ہے' اس کی کتاب کا حق کیا ہے' اللہ کے رسول کا حق کیا ہے اور عام انسان کا حق کیا ہے؟ ان سب کو جمع کیجئے تو یہ سب حقوق ایک حق پر آ کر جمع ہو جاتے ہیں' اور وہ حق یہ ہے کہ اللہ کے دین کو قائم کیا جائے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے حوالے سے میں نے عرض کیا تھا کہ یہ دو پہلو واضح ہونے ضروری ہیں کہ اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری کی سب سے اونچی منزل یہ ہے کہ اس کے دین کی اقامت کے لئے تن من دھن لگا دیا جائے۔ اور آج پاکستان کی سالمیت' بقا' وقار اور عزت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اس میں اللہ کے دین کو نافذ کیا جائے۔ اس کشتی میں ہم سوار ہیں اور اس کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ اگر یہ باقی ہے تو ہمارا وجود بھی ایک علیحدہ تشخص کے ساتھ باقی ہے۔ اس کی عزت ہے تو ہماری عزت ہے' اس کی ذلت ہماری ذلت ہے' یہ کشتی ڈوبتی ہے تو ہم ڈوبتے ہیں ـــــ اور جان لیجئے کہ اس کشتی کے استحکام کے لئے بلکہ اس کے وجود اور بقا کے لئے سوائے اسلام کے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ لہٰذا اس پہلو سے بھی لازم ہے کہ جس شخص کو بھی شعور حاصل

ہے وہ اس فرض کی ادائیگی کے لئے تن من دھن لگانے کا فیصلہ کرلے اور کسی نہ کسی جماعت میں شامل ہو جائے۔

التزامِ جماعت کی ضرورت واہمیت

یہاں میں چاہتا ہوں کہ کسی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت کی بھی وضاحت کردوں، یعنی عقلاً اور نقلاً اس کا جواز اور اس کا لزوم کیا ہے! آپ اپنے طور پر سمجھئے کہ کیا انفرادی طور پر پورا نظام زندگی تبدیل کردینا ممکن ہے؟ کیا انقلابی جدوجہد انفرادی طور پر ممکن ہے، یا اس کے لئے کسی جماعت کی ضرورت ہے؟ اگر صرف فرد یہ کام کرسکتا تو ہر نبی ضرور یہ کام کرکے دنیا سے جاتا، کیونکہ تمام نبی معصوم تھے، ہر نبی کو ہر آن اللہ کی طرف سے ہدایت ورہنمائی ملتی رہتی تھی۔ لیکن نبی کے ہاتھوں بھی یہ کام ہوا ہے تو اُس وقت جب نبی کو ایک جماعت میسر آگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی جب قوم نے صاف جواب دے دیا کہ ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴾ (جایئے آپ اور آپ کا رب جاکر لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) تو یہ کام چالیس برس تک کے لئے وہیں رک گیا اور سزا کے طور پر ان کے بارے میں یہ فیصلہ سنادیا گیا کہ ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ "تو اب یہ سرزمین چالیس برس تک ان پر حرام ہے، یہ زمین میں مارے مارے پھرتے رہیں گے۔" ان چالیس سالوں کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کا انتقال ہو گیا اور ان کی زندگی میں فلسطین میں اسلامی ریاست قائم نہیں ہو سکی۔ چنانچہ یہ بات بالکل منطقی اور عقلی طور پر مسلم ہے کہ ایک منظم جماعت کے بغیر اقامت دین یعنی دین کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد ممکن نہیں ہے۔

قرآن وحدیث سے لزومِ جماعت کے دلائل

اب ہم دیکھتے ہیں کہ نقلی اعتبار سے لزوم جماعت کی کیا اہمیت ہے۔ یعنی دین کا وہ پہلو جو منقول ہوا ہے۔ ہمارا دین اللہ سے منتقل ہوا محمد رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ جبرائیل

علیہ السلام۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے منتقل ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو' ان سے تابعین کو' تابعین سے تبع تابعین کو۔ اس طرح یہ دین منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ قرآن بھی منتقل ہوتا چلا آرہا ہے اور حدیث بھی۔ تو یہ ہے نقل کی بنیاد پر۔ ایک ہے عقل کی بنیاد پر کسی شے کا سمجھنا۔ اس اعتبار سے ہم نے یہ بات سمجھ لی کہ نظام کی تبدیلی ایک جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب وسُنّت یعنی نصوص کے اعتبار سے اس کی کیا اہمیت ہے۔

سورۃ التوبہ آیت ۱۱۹ میں ارشاد ہے : ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ "اے اہل ایمان اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادق اہل ایمان کے ساتھ ہو جاؤ"۔ صادقین کون ہیں؟ یہ جاننے کے لئے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ ملاحظہ ہو' فرمایا :

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ' اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ ﴾ "مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر شک میں ہرگز نہیں پڑے' اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں' حقیقت میں یہی لوگ سچے ہیں"۔ ایسے لوگوں کے ساتھ شامل ہونا' ان کی معیت اختیار کرنا اللہ کا حکم ہے۔ اسی طرح سورۃ المجادلہ میں کچھ اوصاف بیان کئے گئے اور اس کے بعد فرمایا گیا : ﴿ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ﴾ "یہی اللہ کی پارٹی ہیں"۔ ﴿ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ "آگاہ ہو جاؤ فلاح پانے والے تو وہی ہوں گے جو حزب اللہ میں شامل ہوں گے۔" گویا فلاح حقیقی کے مستحق وہی ہوں گے جو اس حزب اللہ میں شامل ہوں گے۔ سورۃ المائدہ کی آیت کا یہ ٹکڑا بھی آپ کے علم میں ہو گا کہ ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ ﴾ پس یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب آ کر رہے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم مغلوب کیوں ہیں ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

ہماری پالیسیاں کہیں اور کیوں طے ہوتی ہیں۔ کیوں کہا جا رہا ہے کہ امریکہ نے افغانستان میں اپنی پسند کی حکومت بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور پاکستان اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتا'

اس لئے کہ پاکستان کو دبانے کے لئے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک موجود ہیں' وہ جو چاہیں اس سے منوا سکتے ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ پارٹی اگر اللہ کی نہیں ہو گی تو یہی حالت ہو گی کہ ہماری پالیسی' ہماری قسمتوں کے فیصلے کوئی اور کرے گا۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت ملاحظہ کیجئے۔ یہ سورۃ الصف کی آیت ۴ ہے : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴾ "اللہ تعالیٰ کو تو محبوب ہیں اپنے وہ بندے' وہ صاحب ایمان لوگ جو جنگ کرتے ہیں اس کی راہ میں اس طرح صفیں بنا کر گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔" چنانچہ نہ صرف جماعت' بلکہ ایسی مضبوط اور ایسی منظم جماعت درکار ہے جو بنیانِ مرصوص ہو۔ جیسے دیوار بنا کر اس کے شگافوں کو پُر کیا جاتا تھا اور سیسہ پگھلا کر درزوں میں ڈال دیا جاتا تھا تاکہ وہ دیوار مضبوط ہو جائے۔

اب احادیث نوٹ کیجئے۔ ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا : ((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ' وَاِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ' فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ)) "(مسلمانو!) تم پر جماعت کی حیثیت سے رہنا لازم ہے' اور تم علیحدہ علیحدہ رہنے سے بچو۔ اس لئے کہ اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان آ کر لگ جاتا ہے جبکہ دو سے وہ دور ہو جاتا ہے۔" گویا ایک اکیلا دو گیارہ۔ یہ ہے وہ بات جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے کہ شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور رہتا ہے۔ دو افراد مل کر جماعت کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایک امام اور ایک مقتدی' یا ایک امیر اور ایک مامور پر مشتمل جماعت ہو جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے امام ترمذی ہی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) "اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے"۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور مدد جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس موضوع پر تیسری حدیث جو کہ اس موضوع پر جامع ترین حدیث ہے' حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ مسند احمد بن حنبل اور جامع ترمذی دونوں میں آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ((اِنِّيْ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ)) "(مسلمانو!)

میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں' اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے"۔(وہ پانچ چیزیں کیا ہیں) ((بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)) "التزامِ جماعت کا' سننے اور اطاعت کرنے کا' اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا۔" یعنی جماعت کی شکل میں رہو۔ اور جماعت بھی سمع و طاعت والی کہ سنو اور اطاعت کرو۔ یہ جماعت وہ ہوگی جو ہجرت اور جہاد کے مراحل سے گزرے گی تو اللہ کا دین غالب ہوگا۔

اس موضوع پر چوتھی حدیث موقوف حدیث ہے' یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ صحابیٔ رسولؐ کے قول کو اثر کہتے ہیں اور رسول ﷺ کا قول خبر کہلاتا ہے۔ صحابی کا قول بھی حدیث شمار کی جاتی ہے لیکن یہ موقوف حدیث ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ((لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَةِ وَلَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِالْاِمَارَةِ وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِالسَّمَاعَةِ وَلَا سَمَاعَةَ اِلَّا بِالطَّاعَةِ)) "کوئی اسلام نہیں ہے جب تک کہ جماعت نہیں' اور کوئی جماعت نہیں جب تک کہ امیر نہ ہو"..... لوگ کہہ دیتے ہیں کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک جماعت ہیں' لیکن یہ تو بتایئے کہ ان کا امیر کون ہے؟ اگر امیر نہیں ہے تو جماعت نہیں ہے۔ یہ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانانِ عالم ایک اُمّت ہیں' ایک ملت ہیں' بھائی بھائی ہیں۔ اگرچہ وہ بھائی بھائی بھی کہاں ہیں' یہ باتیں صرف کہنے کی ہیں' ورنہ ہر پہلو سے معاملہ تباہ کن ہے۔ لیکن بالفرض اگر انہیں ایک جماعت مان بھی لیا جائے تو بھی اس حدیث کی رُو سے یہ ایک جماعت قرار نہیں پاتے۔ اس لئے کہ ان کا کوئی امیر نہیں ہے۔ ((وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِالسَّمَاعَةِ)) "اور (احکام کی) سماعت کے بغیر امارت نہیں ہے"۔ یعنی امارت کا فائدہ کیا ہوا اگر امیر کا حکم نہیں سن رہے۔ اور سننے کے لئے ظاہریات ہے رَسل و رسائل کے جو ذرائع بھی میسر ہیں ان کے ذریعے اپنے آپ کو نظم سے منسلک رکھنا پڑے گا تاکہ امیر کا حکم آپ تک پہنچ جائے۔ مثلاً جماعت کے اجتماعات ہیں' جماعت کی مطبوعات ہیں' جماعت کے سرکولرز آرہے ہیں۔ ان سب کے ساتھ مسلسل رابطہ ضروری ہے ؎ پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ! درخت کا پتّا اگر درخت کے ساتھ جڑا ہوا ہو تو آپ کو معلوم ہے جڑ کے ذریعے سے جو غذا زمین سے آرہی ہے وہ پتّے تک پہنچ رہی ہوتی ہے' لیکن پتّا اگر ایک دفعہ درخت سے علیحدہ ہو جائے تو اب اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی طرح فرمایا :

((وَلاَ سَمَاعَةَ اِلاَّ بِالطَّاعَةِ)) "اور اطاعت کے بغیر سماعت کی کوئی حیثیت نہیں"۔ یہ چاروں چیزیں بالکل منطقی طور پر جڑی ہوئی ہیں جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر بیان کی ہوگی۔ اس لئے کہ کوئی صحابی رسولؐ اتنی بڑی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے جب تک کہ انہوں نے وہ بات حضور ﷺ سے نہ سنی ہو۔

یہ ہے التزامِ جماعت کا معاملہ کہ جو عقلاً اور نقلاً مسلّم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس پر زور دے رہا ہوں کہ انسان کسی بھی جماعت میں شامل ہو جائے۔

ایک عذر اور اس کا جواب

لوگ عموماً ایک عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ اتنی جماعتیں ہیں' کوئی جماعت کچھ کہتی ہے' کوئی کچھ کہتی ہے' ہم کیا کریں؟ میں نے اپنی ان تمام گزشتہ تقاریر میں ایک بات کہی ہے' اُسی کو دہرا رہا ہوں کہ اس وجہ سے آپ بریُ الذمہ نہیں ہو جائیں گے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں علاج کہاں سے کراؤں' جگہ جگہ تو ڈاکٹر بیٹھے ہیں' فلاں بھی ڈاکٹر ہے' فلاں بھی ہے۔ کبھی آپ نے اس طرح سوچا ہے کہ میں علاج کیوں کراؤں؟ جوتا خریدتے ہوئے کبھی کوئی اس طرح نہیں سوچتا کہ میں جوتا کیوں خریدوں؟ گلی گلی میں تو جوتوں کی دوکانیں ہیں' پتہ نہیں کسی دوکان سے اچھا جوتا ملتا بھی ہے یا نہیں۔ اِس دوکان سے خریدوں تو کہیں اس کے تلوؤں کے اندر گتہ ہی نہ ہو' اس لئے ننگے پیر چلنا ہی بہتر ہے۔ ایسا تو کوئی شخص بھی نہیں سوچتا۔

اسی طرح ہر شخص طے کرلے کہ مجھے کسی جماعت میں شامل ہونا ہے اور جو مناسب جماعت آج مل جائے گی اسی میں شامل ہونا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ مزید غور و فکر جاری رکھا جائے۔ جب اس سے بہتر جماعت مل جائے تو انسان اس میں شامل ہو جائے۔ یعنی عصبیت کی پٹی آنکھوں اور کانوں پر نہ بندھنے دے کہ چاہے اس سے بہتر جماعت نظر آ رہی ہو لیکن اب چونکہ کافی عرصہ ان کے ساتھ گزارا ہے' ان سے تعلقات قائم ہو گئے ہیں' ان کے ساتھ میل جول ہے' ان سے رشتہ داریاں بھی ہو گئی ہیں' کاروباری تعلقات

بھی ہو گئے ہیں' اس لئے ان سے چمٹے رہو' جبکہ ذہن اور قلب پر منکشف ہو چکا ہو کہ کوئی دوسری جماعت اس مقصد کے لئے بہتر کام کرنے والی موجود ہے۔ اگر اس کی جماعت وہ مقصد پورا نہیں کر رہی جس کے لئے وہ اس میں شامل ہوا تھا تو اس جماعت کے ساتھ رہ کر وہ جو بھی قربانی دے گا' جان و مال کا انفاق کرے گا' اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ بلکہ سب کچھ صفر سے ضرب کھا کر صفر ہو جائے گا۔ لہٰذا غور کرتے رہیں' سنیں' دیکھیں' اپنے دماغ کے کمپیوٹر کو بھی ورک کرنے دیں کہ ع "ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!" جب بھی محسوس ہو کہ کوئی دوسری جماعت بہتر ہے تو اس میں شامل ہو جائیں۔ اس لئے کہ اب نبی کی جماعت کوئی نہیں ہے۔ نبی کی جماعت سے علیحدہ ہونا مُرتد ہو جانا ہے اور مُرتد کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اب نبی تو کوئی نہیں ہے' اب تو سب کے سب اُمتی ہیں' کسے باشد' کوئی بھی شخص ہو' مولانا مودودی ہوں یا مولانا الیاس' یا مولانا حسین احمد مدنی ہوں' یہ سب اُمتی تھے' اور ان کی قائم کردہ جماعتیں نبیوں کی قائم کردہ جماعتیں نہیں تھیں۔ اب تمام جماعتوں کے داعی بھی اُمتی ہیں اور شامل ہونے والے بھی اُمتی ہیں۔ آیت مبارکہ ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ میں وارد شدہ الفاظ "اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" اب جماعت سازی کا جزوِ لازم ہیں۔

یہی بات ہم کہتے ہیں کہ ہماری جماعت مسلمانوں کی ایک جماعت ہے' ہمارے نزدیک اقامتِ دین کا طریق کار یہ ہے' ہمارے اصول یہ ہیں' ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ رہنمائی ملی ہے اور ہم اس طریقے پر کام کر رہے ہیں۔ ہمارے ساتھ آ جایئے' ہمارے اعوان و انصار بنئے! اگر ہم سے اتفاق نہیں ہے تو کوئی بات نہیں' کسی اور جماعت میں شامل ہو جایئے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۵ کے نصف آخر میں وارد شدہ الفاظ میں یہ رہنمائی موجود ہے کہ تمام جماعتیں جو دین کے لئے کام کر رہی ہیں ان کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کیا انداز اختیار کرنا چاہئے۔ فرمایا : ﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ﴾ "اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔" ﴿ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ "ہم جو عمل کر رہے ہیں (وہ صحیح ہے یا غلط ہے) اس کا نتیجہ ہم بھگتیں گے۔ (جزاء ملے گی تو ہمیں' سزا ملے

گی تو ہمیں) اور آپ جو بھی عمل کر رہے ہیں اس کا جو بھی نتیجہ ہوگا وہ آپ کے ذمہ ہوگا۔" ﴿ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ "ہمیں آپس میں حجت بازی (دلیل بازی' بحث و نزاع) کی کوئی ضرورت نہیں ہے" ﴿ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ﴾ "اللہ تعالیٰ ہمیں جمع کر دے گا"۔ اور اس کی حکمت اور اصل بنیاد یہ ہے کہ اگر آپ ایک ہی مرکز کی طرف بڑھ رہے ہیں تو چاہے مختلف سمتوں سے مختلف راستوں سے آ رہے ہیں لیکن اپنی منزل مقصود سے قریب تر ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر بہت سے لوگ فیصل آباد کے گھنٹہ گھر تک پہنچنا چاہتے ہیں تو وہ چاہے کسی بازار سے چلے جائیں گھنٹہ گھر پہنچ جائیں گے۔ لاکھوں لوگ جو ہزاروں قافلوں کی صورت میں ۹ ذوالحجہ کو منیٰ سے چلتے ہیں وہ سب کے سب عرفات پہنچ جاتے ہیں۔ لہٰذا مختلف دینی جماعتوں کی صورت میں جتنے بھی قافلے چل رہے ہیں اگر اللہ کے دین کے لئے چل رہے ہیں تو "اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا" کے مصداق آج نہیں تو کل ان کی جدّوجُہد کے ثمرات جمع ہو جائیں گے۔ اور بفرض محال اگر اس دنیا میں جمع ہونا نصیب نہ ہوا تو ایک دن تو آنا ہے جب ہم سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ آیت کے آخر میں فرمایا گیا: ﴿ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ "اور لوٹنا تو اسی کی طرف ہے۔"

مطلوبہ جماعت کے لازمی اوصاف

اب میں آپ کے سامنے اپنا حاصلِ مطالعہ رکھنا چاہتا ہوں کہ یہ جماعت کیسی ہونی چاہئے' تاکہ تلاش میں آپ کو مدد مل سکے۔ آپ میری ان باتوں پر خوب غور و خوض کیجئے۔ اگر قابلِ قبول ہوں تو قبول کریں۔ اگر کوئی شے نظر آئے کہ صحیح نہیں ہے تو اسے رد کر دیجئے۔ میرے نزدیک اس جماعت میں چار لوازم ہونے چاہئیں جو آپ کو اسے تلاش کرتے ہوئے پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

پہلی بات یہ کہ وہ جماعت واضح اور اعلانیہ طور پر پورے دین کو قائم کرنے کے لئے قائم ہوئی ہو' فرقہ وارانہ جماعت نہ ہو' محض کوئی بہبود عوام کا کام کرنے والی نہ ہو۔ اگرچہ یہ سارے کام اچھے ہیں' مثلاً آپ خدمت خلق کے کام کرنے کے لئے کوئی ادارہ بنا لیتے ہیں تو یہ ایک اچھا کام ہے۔ آپ صرف دعوت و تبلیغ کا کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو یہ

بھی اچھا کام ہے۔ صرف تدریس و تعلیم کا علمی کام کرنا چاہتے ہیں تو یہ بھی اچھا کام ہے۔ لیکن میں آپ کی راہنمائی اُس جماعت کی طرف کر رہا ہوں جس کا مقصد اور منزل واضح طور پر اللہ کے دین کو قائم کرنا ہو' یہ اس کی شرط اول ہونی چاہئے۔

دوسرے یہ کہ وہ جماعت نہایت منظم ہونی چاہئے۔ یہ سمع و طاعت کے نظم پر مبنی ہو۔ اس کی اہمیت میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔ البتہ اس نظم کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں' جن میں سے ایک میرے نزدیک بہتر ہے' تاہم دوسری بھی جائز ہے۔ ان دونوں صورتوں کی وضاحت میں آگے بیان کروں گا۔

تیسری چیز یہ کہ وہ جماعت واضح طور پر بیان کرے کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے اور وہ کس طور سے منہج نبویؐ سے مستنبط ہے! ہر کام کے لئے ہر طریقہ صحیح نہیں ہے' ہر راستہ کسی ایک ہی منزل کی طرف نہیں جاتا۔ آپ نے منزل معین کی ہے تو راستہ بھی وہ تلاش کیجئے جو اس منزل تک پہنچانے والا ہو۔ اور اگر منزل اللہ تعالیٰ کے دین کا غلبہ ہے' جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے ہوا تو اس کے لئے طریقہ بھی وہی ہو گا جو محمد عربی ﷺ نے اختیار کیا تھا۔ جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا تھا : لَا یَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا "اس اُمت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی مگر صرف اسی طریقے پر جس پر پہلے حصے کی اصلاح ہوئی ہے۔" امام مالکؒ کا یہ قول حضرت ابو بکرؓ کے قول سے مستنبط ہے۔ انہوں نے جب حضرت عمرؓ کو اپنے جانشین کی حیثیت سے نامزد کیا' تو اس موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں خلافت کے بارے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے : ((اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا یَصْلُحُ آخِرُهٗ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهٗ)) "دیکھو یہ جو خلافت کا معاملہ ہے اس کا آخری حصہ بھی اسی طرح اصلاح پذیر ہو گا جس طرح پہلا حصہ ہوا تھا۔" یعنی حدیث میں جو خبر دی گئی ہے کہ اس دنیا کے خاتمے سے قبل پوری دنیا پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہو کر رہے گا' اس آخری حصے کا وجود میں آنا اسی طریقے سے ممکن ہو گا جس طریقے سے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا پہلا حصہ وجود میں آیا۔ یعنی طریقہ محمدی ﷺ۔ تو پہلی بات یہ ہے کہ مقصد واضح ہونا چاہئے کہ ہمیں دین کو قائم کرنا ہے۔ فرقہ واریت یا کوئی سیاسی کھیل پیش نظر نہ ہو۔ اسی طرح محض درس و تدریس یا محض دعوت و

تلقین نہیں بلکہ اقامت دین یعنی دین کے غلبے کی جدوجہد اس جماعت کا مقصد تاسیس ہو۔ دوسرے یہ کہ منظم سمع وطاعت والی جماعت ہو۔ تیسرے یہ کہ طریقہ کار بالکل واضح ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں ایک بات میں عرض کروں گا کہ نبی کو تو یہ حق تھا کہ آپ آنکھیں بند کر کے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیجئے اور بے چون وچرا اس کی اطاعت کیجئے' جیسے کہ عربی زبان میں کہا جاتا ہے : دُزْ مَعَ الْحَقِّ حَیْثُ دَارَ "حق کے ساتھ گھوم جاؤ جیسے وہ گھومے"۔ چونکہ نبی "الحق" ہوتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ گھوم جایئے۔ اس نے اگر مدینے میں جا کر سولہ مہینے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی ہے تو اُدھر ہی رخ کرو' اور اگر اس نے اپنا رخ موڑ لیا تو تم بھی اپنا رخ موڑ لو۔ اس سے آپ پوچھ نہیں سکتے کہ اگلی منزل کیا ہے' اس لئے کہ وہ نبی ہے' وہ اللہ کا رسول ہے' اس کو اللہ کی طرف سے ہر وقت راہنمائی مل رہی ہے۔ لہٰذا وہ جو فیصلہ کرے اس کے مطابق چلنا ضروری ہے۔ آپ نے جب پہچان لیا کہ یہ اللہ کے نبی یا رسول ہیں اس کے بعد آپ اپنے آپ کو ان کے ساتھ منسلک کر لیجئے' وہ جدھر موڑیں مڑ جایئے' لیکن کسی غیر نبی کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ کہے کہ آنکھیں بند کر کے میری پیروی کرو' میں جو کہوں گا وہ کرو۔ نہیں' ہرگز نہیں! وہ جس طریقے پر کام کرنا چاہتا ہے پہلے اسے واضح کرے۔ وہ بتائے تو سہی کہ اس کے پیش نظر طریقہ کار کیا ہے' اس کی منزل کیا ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ طریقۂ کار محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت' آپؐ کے منہاج اور آپؐ کے طریقہ کار سے کیا مناسبت رکھتا ہے۔ اگر اس میں کہیں کوئی تبدیلی ہے' کہیں کوئی اجتہاد کیا گیا ہے تو کیوں کیا گیا ہے! کیا حالات میں واقعتاً کوئی واضح تبدیلی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اجتہاد کی ضرورت پیش آئی؟ یہ معین کیا جانا بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ سمع وطاعت والی جماعت کے معانی تو اپنے آپ کو امیر کے حوالے کر دینا ہے : "اِسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا" سنو اور اطاعت کرو۔ اس لئے لازم ہے کہ واضح طور پر معلوم ہو کہ اس کا طریقۂ کار کیا ہے' وہ کس نہج پر کام کر رہی ہے اور سیرت رسولؐ سے وہ کس طور مستنبط ہے؟

چوتھی اور آخری بات یہ کہ اس کی قیادت کو دیکھئے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں یا نہیں؟ کم از کم فرائض کے پابند اور حرام سے مجتنب ہیں یا نہیں؟ ان کی زندگی

کیا گواہی دیتی ہے؟ لہیں دین کے پردے میں دنیاوی کاروبار تو نہیں ہو رہا؟ جائیدادیں تو نہیں بنائی جا رہی ہیں؟ یہ سب کچھ ٹھونک بجا کر دیکھ لیا جائے۔ اس لئے کہ اس جماعت کا معاملہ جس میں سمع و طاعت کا نظام ہوتا ہے' جس میں آپ نے اپنا تن من دھن لٹانا ہے' عام سیاسی جماعتوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے اس کے لئے آپ کو پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا ہو گا' ٹھونک بجا کر دیکھنا ہو گا تب اس کا ساتھ دیا جائے۔ ان چار اعتبارات سے جائزہ لے کر جس جماعت کے اوپر بھی آپ کی نگاہ ٹک جائے اس میں شامل ہو جائیں' آپ کی ایک رات بھی بغیر جماعت کے بسر نہ ہو۔

اللہ کا شکر ہے کہ یہ بات مجھ پر زمانۂ طالب علمی میں اتنی واضح ہو چکی تھی کہ میں نے شعوری طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ اب میری زندگی کی ترجیح اول اقامتِ دین کی جدوجہد ہے۔ اُس وقت میں اسلامی جمعیت طلبہ میں تھا۔ جب میرا میڈیکل کا رزلٹ نکل آیا اور میں پاس ہو گیا تو میں نے فوری طور پر جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست دے دی اور اس میں یہ الفاظ تحریر کئے کہ میں نہیں چاہتا کہ میری زندگی کی ایک رات بھی بغیر جماعت کے گزرے۔ درخواست دائر کرنے میں پندرہ دن کا وقفہ اس لئے ہو گیا تھا کہ میں ابھی طے نہیں کر پایا تھا کہ آیا مجھے منٹگمری (موجودہ ساہیوال) میں رہنا ہے یا لاہور میں رہائش پذیر ہونا ہے' اور میں اپنی درخواست رکنیت کہاں دائر کروں۔ جیسے ہی میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں نے منٹگمری میں رہنا ہے تو وہاں جاتے ہی میں نے درخواست دے دی اور کہا کہ جماعت اسلامی مجھے اپنا رکن بنانے میں بے شک کچھ وقت لے لے' لیکن میں آج سے اپنے آپ کو جماعت کے نظم کا پابند سمجھتا ہوں۔ یہ حقائق مجھ پر زمانہ طالب علمی میں واضح ہو گئے تھے اور وہی حقیقت میں آج آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

سمع و طاعت کے دو نظام

اب میں وہ بات بیان کرتا ہوں جسے میں نے تھوڑا ملتوی کیا تھا کہ سمع و طاعت کا نظام دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو سمع و طاعت کی بیعت کے حوالے سے ہے۔ بیعت سمع و طاعت کسی ایک فرد کے ہاتھ پر شخصی بیعت ہوتی ہے کہ میں آپ پر اعتماد کرتے ہوئے آپ

کا ساتھی بنتا ہوں' آپ جو حکم کتاب و سنت کے دائرے کے اندر اندر دیں گے میں اس کی اطاعت کروں گا۔ یہ طریقہ قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں مذکور ہے' اور سیرت النبیؐ سے ثابت ہے۔ شخصی بیعت کا یہی طریقہ اُمت کے اندر کم از کم تیرہ سو برس تک چلتا رہا۔ اُمت کی تاریخ میں کوئی ایسا اجتماعی ادارہ وجود میں نہیں آیا جو اس بیعت پر مبنی نہ ہو۔ سیرت نبویؐ میں بیعتِ عقبہ اولیٰ' بیعتِ عقبہ ثانیہ اور بیعتِ رضوان بہت معروف ہیں۔ پھر خلافت بیعت پر قائم ہوئی۔ خلافت نے ملوکیت کی شکل اختیار کی تو بھی بیعت کی بنیاد برقرار رہی۔ اور جب خلافت کا نظام بگڑنے لگا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس بگاڑ کو روکنے کے لئے میدان میں آئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوفیوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر کے پھر اسے توڑ دیا' اس کا وبال ان پر آئے گا' حضرت حسینؓ پر اس کا کوئی الزام نہیں۔ ہزارہا لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حجاز میں اسلامی حکومت بیعت کی بنیاد پر قائم کی تھی۔ پھر ہمارے ہاں اصلاح نفس اور تزکیہ و ارشاد کے لئے صوفیانہ نظام قائم ہوا تو وہ بھی بیعت کی بنیاد پر۔ وہ بیعتِ ارشاد کہلاتی ہے۔ پچھلی صدی میں جتنے جہاد ہوئے وہ بھی بیعت کی بنیاد پر ہوئے۔ ہندوستان میں عظیم ترین جہاد سید احمد بریلویؒ سے بیعت کی بنیاد پر ہوا۔ مہدی سوڈانی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تو بیعت کی بنیاد پر۔ لیبیا کے سنوسی نے اٹلی کے خلاف بغاوت کی تو بیعت کی بنیاد پر۔ تو یہ طریقہ تو ہے منصوص' مسنون اور ماثور ـــــ لیکن میرے نزدیک اگر ایک جماعت خواہ دستوری بنیاد پر بنی ہو' اگر وہ منظم ہو تو وہ بھی اس تقاضے کو پورا کرتی ہے' اور یہ نظم جماعت بھی جائز اور مباح ہے۔ گویا کہ وہ دستوری بیعت ہے' جو ایک شخص سے نہیں' بلکہ دستور سے ہے۔ اس جماعت میں شامل ہونے والے اس کے دستور کا حلف اٹھا رہے ہیں کہ وہ اس کے پابند ہوں گے' دستور کی رو سے جو امیر ہو گا اس کا حکم مانیں گے' اسی دستور کی رو سے وہ اپنی کوئی شوریٰ منتخب کریں گے' اس شوریٰ کی اکثریت کا جو فیصلہ ہو گا اسے مانیں گے۔ دستوری نظم جماعت میں کسی شخص سے بیعت نہیں ہوتی' بلکہ دستور سے بیعت ہوتی ہے۔ تو میں اس وقت دستوری جماعت کو بھی بیعت پر مبنی قرار دے رہا ہوں' لیکن وہ دستوری بیعت ہے شخصی بیعت نہیں' جبکہ

قرآن و سنت' سیرتِ مطہرہ اور مسلمانوں کی پوری تاریخ میں جو بیعت ہمیں ملتی ہے وہ شخصی بیعت ہے' اور اس کے لئے بھی میں چاہتا ہوں کہ عقلاً اور نقلاً دونوں طریقوں سے وضاحت کردوں۔

شخصی بیعت کے لئے نقلی دلیل

نقول کے حوالے سے صرف ایک حدیث پیش کر رہا ہوں۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ منقول ہوئے ہیں : ((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)) "جو (مسلمان) اس حالت میں فوت ہوا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں تھا وہ ایک طرح سے جاہلیت کی موت مرا"۔ ذرا "بیعت کا قلادہ" کے الفاظ پر غور کیجئے۔ جیسے کسی نے بکری کے گلے میں رسی باندھ کر اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوتی ہے' بیعت بھی وہی شے ہے۔ آپ نے جس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے گویا کہ اپنی گردن اس کے ہاتھ میں دے دی ہے کہ وہ جو حکم دے گا (معروف کے دائرے کے اندر) ماننا پڑے گا۔ پس جو مرگیا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں تھا تو وہ اسلام کی موت نہیں مرا' بلکہ جاہلیت کی موت مرا ہے۔

شخصی بیعت کی عقلی دلیل

اور عقلاً یہ سمجھ لیجئے کہ ہر تحریک چاہے وہ تحریک آزادی ہو جب کبھی بھی راست اقدام (action) کے مرحلے پر آتی ہے تو اس میں آمر (dictator) معین کئے جاتے ہیں۔ کانگریس ابتدا سے ایک بہت بڑی جمہوری جماعت تھی' لیکن جب انہوں نے راست اقدام یعنی سول نافرمانی کا فیصلہ کیا تو اس مرحلے پر ڈکٹیٹر مقرر ہوتے تھے۔ کیونکہ ایسے مراحل میں جب تک ایک شخص کی اطاعت نہ ہو کامیابی ممکن نہیں' بلکہ انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اس مرحلے میں مشورے کرنا اور پھر اس کے تقاضے پورے کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً جماعتی دستور کی رو سے شوریٰ کے اجلاس کے لئے پندرہ دن پہلے نوٹس بھیجا جانا ضروری ہے' اگر نوٹس نہیں بھیجا گیا تو گویا کہ اجلاس غیر دستوری ہوگیا۔ فلاں قاعدہ پورا

نہیں ہوا تو اجلاس کے فیصلے کی قانونی حیثیت مشکوک ہو گئی۔ لیکن جب اصل بھٹی دہکتی ہے، یعنی جب کبھی مقابلہ شروع ہو جاتا ہے اور راست اقدام (active resistance) کا مرحلہ آتا ہے تو پھر یہ دستوری تقاضے پورے نہیں کئے جاتے، بلکہ طے کیا جاتا ہے کہ فلاں کی حیثیت ڈکٹیٹر کی ہے۔ اگر یہ مرگیا تو اس کی جگہ دوسرا ہو گا اور دوسرا بھی مرگیا تو تیسرا ہو گا۔ یہ بات ہمیں سیرتِ نبویؐ میں بھی نظر آتی ہے۔ حضور ﷺ نے غزوۂ موتہ میں معین کر دیا تھا کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے، اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے جو کہ انصاری صحابی تھے۔ اس کے بعد آپ خاموش رہے۔ جب تینوں شہید ہو گئے تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے افواج کی کمان سنبھالی۔ تو گویا ڈکٹیٹر کا معین ہونا ان مراحل میں ضروری ہوتا ہے۔ ڈکٹیٹر دراصل امیر ہی ہوتا ہے، لیکن ہمارے ہاں یہ لفظ گالی بن گیا ہے۔ ورنہ آپ غور کیجئے، لفظ "آمر" ڈکٹیٹر کے لئے آتا ہے اور امیر کسے کہتے ہیں؟ عربی زبان میں آمر "ا م ر" مادہ سے اسم فاعل، جبکہ امیر صفتِ مشبّہ ہے۔ اسم فاعل اور صفتِ مشبّہ کا فرق یہ ہے کہ اسمِ فاعل میں کسی صفت کا عارضی ہونا بھی ممکن ہے۔ ایک شخص جب پانی پی رہا ہے تو وہ "شارب" ہے۔ اس کی یہ صفت مستقل تو نہیں ہے۔ میں کوئی کام کر رہا ہوں تو اِس وقت میں فاعل ہوں۔ لیکن جب کوئی صفت مستقلاً کسی کی سیرت کا جزو بن جاتی ہے تو اب وہ فَعِیل کے وزن پر آتی ہے۔ گویا کہ آمریت جس شخص کے وجود میں مستقل ہو جائے گی وہ "امیر" کہلاتا ہے۔ لیکن ہم لفظ امیر تو استعمال کر لیتے ہیں لیکن جمہوریت کا ہمارے ذہنوں پر جو بخار چڑھا ہوا ہے اور مغربی تصورات نے ہمارے دماغوں کے اندر کچھ چیزیں جو ٹھونک ٹھونک کر راسخ کر دی ہیں، اس وجہ سے اس تصور کو ذہن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ورنہ درحقیقت "آمر" میں آمریت کی صفت اگر مستقل ہو جائے تو وہ امیر ہے۔ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ اگر دو یا تین افراد بھی کہیں سفر پر جا رہے ہوں تو اپنے آپ میں سے ایک کو امیر بنالیں۔

امیر اور مامورین کا باہم رشتہ کیا ہے؟ مامورین مشورہ ضرور دیں گے لیکن فیصلہ امیر کے ہاتھ میں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ہر فیصلہ اور ہر حکم واجب الاطاعت

تھا' لیکن اب کوئی امیر ایسا نہیں ہو گا جس کا ہر حکم واجب الاطاعت ہو۔ یہ دیکھا جائے گا کہ کوئی حکم شریعت کے دائرے سے باہر تو نہیں ہے' شریعت کے خلاف تو نہیں۔ اگر خلافِ شریعت ہے تو نہیں مانیں گے' اگر اس کے دائرے کے اندر اندر ہے تو خواہ تنگی ہو خواہ آسانی ہو' خواہ طبیعت آمادہ ہو خواہ اس کے لئے خود پر جبر کرنا پڑے' خواہ دوسروں کو ترجیح دی جائے' حالات مناسب ہوں یا مخدوش' ہر حال میں اطاعت کرنی ہے۔ صرف ایک استثناء ہے کہ امیر کا حکم اگر شریعت کے خلاف ہو تو "لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ" کے مصداق اسے نہ تو سنا جائے گا اور نہ ہی مانا جائے گا۔

بہرحال یہ ہیں وہ خصائص جو آپ کو کسی جماعت میں تلاش کرنے چاہئیں۔ ان کو آپ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ ان تمام خصوصیات کو سامنے رکھ کر جس جماعت پر بھی آپ کا دل مطمئن ہو اس میں شامل ہو جائیں۔ ؎

اُٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

میں پھر عرض کروں گا کہ اگر آپ پر فرائضِ دینی کا تصور واضح ہو گیا ہو اور آپ کو پاکستان کی بقا کسی بھی درجے میں عزیز ہو تو پھر اس میں تاخیر نہ کریں۔ ہر شخص کمربستہ ہو جائے اور ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ کے انداز میں کسی نہ کسی جماعت میں شریک ہو جائے۔ البتہ اپنے کانوں اور آنکھوں کو کھلا رکھے۔ مزید غور و فکر جاری رکھے۔ اگر بعد میں کوئی بہتر جماعت سامنے آئے تو اس میں شامل ہو جائے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

"تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"

ایمانیاتِ ثلاثہ

اصل حاصل اور باہمی تعلق

رحمت اللہ بٹر، ناظم تربیت

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (البقرۃ : ۲۸۵)

لفظی معنی : ایمان امن سے بنا ہے اور اس کا حاصل بھی انسان کا داخلی امن ہے، یعنی تسکین قلبی۔ انسان کو ایمان تبھی حاصل ہوتا ہے جب اس کائنات کے حقائق تک اس کی رسائی ہو جائے۔ اس کے لئے مالک کائنات نے اس کی ہدایت و رہنمائی کا بندوبست کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ : ۵۲)

"اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک رُوح تمہاری طرف وحی کی ہے۔ تم نہ تو قرآن کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو، لیکن ہم نے اس (قرآن مجید) کو نور بنایا ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک آپ (اے محمد ﷺ) سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔"

اصطلاحی معنی : "تصدیقٌ بما جاء بہ النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" (اُس شے کی تصدیق کرنا جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے ہیں)

ایمان دو اجزاء ترکیبی کا مجموعہ ہے۔ نورِ فطرت، نورِ وحی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی روح میں نورِ فطرت ودیعت کیا ہے۔ یعنی اسے یہ شعور دے کر بھیجا ہے کہ اس کا رب اللہ

ہے اور اسے اپنے رب کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔ نورِ وحی آکر انسان کے اس شعور کی تصدیق بھی کرتا ہے' اس کی تفاصیل بھی بتاتا ہے اور آیات انفسی و آیات آفاقی کے ذریعے وہ یقین پیدا کر دیتا ہے جو تسکین قلبی کے لئے ضروری ہے۔

بنیادی طور پر ایمان کی تین شاخیں ہیں :

۱) ایمان باللہ

علمی و نظری لحاظ سے اصل ایمان' ایمان باللہ ہی ہے اور ایمان بالقدر بھی اسی کا حصہ ہے۔ جب ایمان کی اجمالاً تشریح کی جائے گی تو صرف اسی ایمان کا ذکر آئے گا۔ چنانچہ "ایمان مجمل" کے الفاظ ہیں :

"آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصدِيْقٌ بِالْقَلْبِ"

یعنی "میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات کے حوالے سے ہے' اور میں نے اس کے تمام احکام قبول کئے' زبان سے گواہی دے کر اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے"۔ یہی ایمان انسان کی زندگی کا مقصد معین کرتا ہے اور اسے وہ روشنی عطا کرتا ہے کہ جس سے کائنات کی تمام ظلمات اور پیچیدگیاں دور ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کا معاملہ اُس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جو راہ مستقیم پر گامزن ہو۔ جیسے سورۃ الملک میں فرمایا گیا :

﴿ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

"بھلا وہ شخص جو اپنے چہرے کے بل گھسٹ رہا ہو وہ راہ یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا ایک سیدھی راہ پر گامزن ہو؟"

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اللہ کا ماننا وہی معتبر اور کار آمد ہے جو اس کے اسماءِ حسنیٰ اور صفات کے حوالے سے ہو۔ وگرنہ صرف یہ جان لینا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس نے اس کو پیدا کیا کافی نہیں ہے' کیونکہ یہ بات تو چار و ناچار ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے اور دنیا کے تمام فلاسفہ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس کارخانہ لامتناہی کے لئے کوئی عِلّت العِلل

ناگزیر ہے۔ تاہم ان کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ اب یہ کائنات خود بخود کام کر رہی ہے اور اسباب وعلل کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

ایمان باللہ کا اصل حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف خالق کائنات مانا جائے بلکہ یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ اب بھی یہ کائنات اُسی کے انتظام واختیار میں ہے اور جہاں جو کچھ بھی وقوع پذیر ہو رہا ہے اسی کے اذن سے ہو رہا ہے۔ وہی اس کائنات کا بادشاہ اور مالک ہے۔ وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا اور ہر چیز پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اگرچہ اس نے اس کائنات کو کچھ طبعی قوانین (Physical Laws) کے تحت حرکت دی ہے' لیکن وہ پورا پورا اختیار رکھتا ہے کہ جب چاہے کسی قانون کو معطل کر دے یا اس کو بدل دے' یا کسی قوت کی تاثیر کو ختم کر دے۔ گویا وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔

یہ ساری کائنات اسی کے دائرہ اختیار میں ہے اور اسی نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔ اس کا علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ (جو کچھ ہو چکا اور جو ابھی ہونے والا ہے) پر محیط ہے اور یہاں کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جو اس کی منشاء کے خلاف کچھ کرنے کا ارادہ بھی کر سکے :

﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ' اِنَّهٗ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴾

"تم کسی چیز کی خواہش بھی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ جو اللہ چاہے' کیونکہ وہ علم والا اور حکمت والا ہے۔" (الدھر : ۳۰)

موت وحیات کا یہ سلسلہ خود بخود نہیں چل رہا بلکہ وہی ہے جو ہر چیز کو حیات بخشتا ہے اور وہی ہے جو اس پر موت طاری کرتا ہے' اور اسے اس کا پورا اختیار ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضور ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا بیماریوں میں دوا اور جنگ میں ڈھال کا استعمال خدائی تقدیر کو ٹال سکتا ہے؟ (یعنی اگر نہیں ٹال سکتا اور وہی کچھ ہوتا ہے جو تقدیر الٰہی میں ہے تو اس کا فائدہ؟) اس پر آپؐ نے فرمایا: "میرے صحابہ' تم ان اسباب کو تقدیر سے خارج کیوں سمجھتے ہو؟ تقدیر میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ دوا کرو گے تو شفایاب ہو گے' اور سپر استعمال کرو گے تو دشمن کے وار سے بچ جاؤ گے"۔ چنانچہ اسباب ووسائل بھی حیطۂ تقدیر میں داخل ہیں۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ملاحظہ ہو :

قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ: ((يَا غُلَامُ! اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ، وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ))

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں ایک دن آنحضور ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ نے فرمایا: "اے بچے! تو اللہ کی (حدود کی) حفاظت کر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا، تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا، اور جب بھی مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ اور جب کسی مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر، اور اچھی طرح جان لے کہ اگر تمام لوگ اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ تمہیں کوئی نفع پہنچائیں تو ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لئے مقدر کر رکھا ہے اور اگر سارے لوگ مل کر تمہارا کوئی نقصان کرنا چاہیں تو وہ تجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تیرے لئے لکھ رکھا ہے، (جان لو) قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور رجسٹر خشک ہو گئے ہیں۔"

یعنی اللہ نے جن چیزوں کو معین کر دیا ہے اب انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ ہے اللہ کے اختیار، اس کی قدرت اور علم کا تصور جو قرآن مجید دیتا ہے اور اللہ کو اسی طور پر ماننے کا نام ایمان ہے۔

آج کے مادی دور میں اللہ تعالیٰ کی اس معرفت میں کمی واقع ہوئی ہے اور انسان کا سارا انحصار کائنات کے وسائل پر ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کی تمام اشیاء میں جو تاثیر ہے وہ ان کی ذاتی اور مستقل ہے اور وہ خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے اور اسے پکارنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان چیزوں کی تاثیر اس کے اختیار کے تحت نہیں ہے۔ اور یہی وہ فتنہ دجالیت ہے جس کے بارے میں تمام انبیاء و رسل اپنی امتوں کو خبردار کرتے رہے کہ مبادا وہ اس میں ملوث ہو جائیں۔ اور

اسی فتنے کے بارے میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اس فتنہ میں ملوث انسان اگر دن کو مومن ہو گا تو رات کو کافر ہو جائے گا اور رات کو مومن ہو گا تو دن کو کافر ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وسائل کے حصول کے لئے وہ اللہ کے حضور حاضر ہونے کی بجائے ان ہی کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھے گا اور ان کی خاطر ایمان سے تہی دامن ہو جائے گا۔

آج عالمِ اسلام کے تمام ممالک کا یہی نقشہ نظر آ رہا ہے کہ ان کے اربابِ بست و کشاد کو اللہ تعالیٰ کے مالک الملک اور قاضی الحاجات ہونے پر یقین کی بجائے اصل اعتماد امریکہ بہادر اور عالمی مالیاتی اداروں پر ہے کہ وہ ان سے مدد کا حصول اپنی قومی زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور ان کے کہنے پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرا رہے ہیں اور ان کی فرمانبرداری میں اللہ کی صریحاً نافرمانی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گویا جو اصل حقیقت ہے اس سے آنکھیں بند ہیں اور جو دھوکہ اور دجل و فریب ہے اس پر پورا اعتماد ہے۔ اللہ کی بجائے کائنات، رُوح کی بجائے جسم خاکی اور حیاتِ اُخروی کی بجائے حیاتِ دُنیوی توجہات کا مرکز و محور بن چکے ہیں۔

قرآن مجید انسان سے جس ایمان کا مطالبہ کرتا ہے اور جسے ایمان واقعی قرار دیتا ہے وہ تو اللہ کو مالک الملک، مختار مطلق اور تمام اشیاء پر قہار ہونے کا یقین ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (المائدہ : ۱۲۰)

"اللہ ہی کی بادشاہت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس پر بھی، اور وہی ہے جو ہر چیز پر اختیار رکھتا ہے"۔

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ۭ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (الانعام : ۱۴)

"کہہ دیجئے : کیا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو مددگار سمجھوں حالانکہ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہ ہر کسی کو کھانا کھلاتا ہے اور خود کھانا نہیں

کھاتا۔ کہو مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کروں اور تاکید کی گئی ہے کہ شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤں"۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۭ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾

"اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے' وہی زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور وہی مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ پھر تم کدھر بھٹکے جا رہے ہو؟" (الانعام:۹۶)

اور یہی وہ ایمان باللہ ہے جو مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ یقین عطا کرے تاکہ اس کی طرف رجوع ہو۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ ﴾ (یونس: ۳۱، ۳۲)

"ان (اللہ کے علاوہ دوسروں پر انحصار کرنے والوں) سے پوچھئے: کون ہے جو تمہیں رزق مہیا کرتا ہے آسمان اور زمین سے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہے؟ اور کون نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو نظم عالم کی تدبیر کرتا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو اللہ ہی ہے۔ بس فرما دیجئے: تو کیا تم (اس کی نافرمانی سے) بچتے نہیں؟ بس یہ ہے تمہارا مالک حقیقی۔ پھر حق کے علاوہ تو گمراہی ہی ہوتی ہے' آخر یہ تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو؟"

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَاَنَّ رُوحَ الْاَمِينِ نَفَثَ فِي رَوْعِي اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا ۭ اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوا الطَّلَبَ ۭ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَاِنَّهُ يُدْرَكُ

مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلاَّ بِطَاعَتِهٖ) (بیھقی عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

"رُوح الامین نے یہ بات میرے جی میں ڈال دی ہے کہ کوئی نفس نہیں مرتا جب تک اپنا رزق مکمل نہ کرلے (جو اللہ نے اس کے لئے ماں کے پیٹ ہی میں مقرر کر دیا تھا) پس تم اللہ کی نافرمانی سے بچو اور طلب میں جائز راستہ اختیار کرو اور کہیں کم رزق تمہیں حرام میں طلب پر مجبور نہ کردے' کیونکہ جو اللہ کے پاس ہے وہ اس کی فرمانبرداری کے ذریعہ طلب کرنا چاہئے"۔

وعَن سَلمان رضی اللہ عنہ قال سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰه صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : ((مَنْ غَدَا اِلَى الصَّلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَأْيَةِ الْاِيْمَانِ وَمَن غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَأْيَةِ اِبْلِيْسَ)) (ابن ماجه)

"حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا : جو شخص صبح کرتا ہے نماز سے (یعنی اللہ کے سامنے اپنی عبدیت ظاہر کرنے اور اسی سے مانگنے سے) تو اُس نے ایمان کے جھنڈے تلے صبح کی اور جو صبح ہی صبح (نماز پڑھے بغیر) بازار چلا گیا روزی حاصل کرنے کے لئے (یعنی وہ روزی رساں دکان و کاروبار ہی کو سمجھ رہا ہے) تو اس نے شیطان کے جھنڈے تلے صبح کی"۔

ایمان بالقدر کے بارے میں یہ جان لیں :

عن ابی الدَّرْدَاء رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم : ((اِنَّ لِكُلِّ شَىْءٍ حَقِيْقَةً وَمَا بَلَغَ عَبْدٌ حَقِيْقَةَ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَهٗ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهٗ وَمَا اَخْطَاَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهٗ))

(احمد و طبرانی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :
"ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور بندہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ وہ یہ بات جان لے کہ اسے جو کوئی (مصیبت وغیرہ) پہنچی ہے وہ اس سے چوکنے والی نہ تھی' اور جو کوئی چوک گئی ہے وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی"۔

(جاری ہے)

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

(آخری قسط)

سانحۂ عظیم

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چند یوم قبل حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو اسلام سے قبل ایک جیّد یہودی عالم تھے) نے محاصرین سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ چونکہ اس بلوے میں اصل سازشی ذہن تو یہودیوں کا کام کر رہا تھا لہٰذا بلوائیوں نے یہ گمان کیا کہ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی گستاخی کر کے آئیں گے' لہٰذا انہوں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دیجئے کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ ظالم اب آپ کو شہید کئے بغیر نہ ٹلیں گے۔ میری تمنا ہے کہ میں بھی آپ کی مدافعت میں شہید ہو جاؤں ـــــ اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ روایات میں محفوظ ہیں کہ: "میرا جو حق تم پر ہے' میں اس کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ' میرے ساتھ نہ رہو"۔ وہ حق کیا تھا؟ اس کی تفصیل موجود نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا ہو' اس کا واسطہ دیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مُراد امیرالمومنین ہونے کی وجہ سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پر جو آپؓ کی اطاعت واجب تھی' اس کا واسطہ دیا ہو ـــــ بہرحال ناچار حضرت عبداللہ بن سلام واپس چلے گئے۔ باہر بلوائی منتظر تھے کہ وہ آ کر ہمیں بتائیں گے کہ کس طرح وہ حضرت عثمان کی دل

آزاری کر کے آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے بلوائیوں کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ: "لوگو! باز آجاؤ۔ امام وقت کے خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگو۔ میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ کبھی اللہ کا کوئی نبی شہید نہیں کیا گیا' جس کی پاداش میں کم از کم ستر ہزار لوگ قتل نہیں ہوئے اور کبھی کسی نبی کا خلیفہ شہید نہیں کیا گیا الا آنکہ اس کی شہادت کے بعد کم از کم ۳۵ ہزار لوگ قتل نہیں ہوئے ـــــ دیکھو! باز آجاؤ' میں سچ کہتا ہوں کہ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی"۔ بلوائی کچھ اور توقع کر رہے تھے' لیکن جب انہوں نے یہ بات سنی تو شور مچا دیا کہ "یہ یہودی جھوٹ کہتا ہے"۔ انہوں نے پھر کہا "خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہہ رہا' بلکہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ کی کتاب تورات کے حوالے سے کہہ رہا ہوں! اب بھی باز آجاؤ' ورنہ تمہاری اس حرکت سے جو فتنے کا دروازہ کھلے گا' اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ "اے عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس اُمّت پر خلیفہ مقرر کرے اور منافق اس بات کی کوشش کریں کہ اللہ کے پہنائے ہوئے اس کرتے کو اتار دو تو اس کو ہرگز نہ اتارنا" ـــــ حضورؐ نے تین بار تاکید فرمائی۔ چنانچہ عین شہادت کے دن جب بلوائیوں کی طرف سے اُشتر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں اور لوگوں سے کہہ دیں کہ تم کو اختیار ہے جس کو چاہو خلیفہ بنالو! ورنہ یہ لوگ آپ کو قتل کر ڈالیں گے' تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "میں خلافت نہیں چھوڑ سکتا' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ جس جامہ کو خدا مجھے پہنائے گا میں اس کو کبھی نہیں اتاروں گا" ـــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں ایک وقت صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تخلیہ میں بلا کر ان سے کچھ باتیں کیں۔ اس دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چہرہ متغیر ہوتا چلا گیا ـــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام ابو سہلہ نے بیان کیا کہ شہادت سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں صابر رہوں۔

وقتِ آخر

اس کامل الحیاء والایمان کے اعطاء اور تقویٰ کی عین شہادت کے دن والی شان بھی دیکھئے۔ اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے پاس بیس غلام تھے' ان سب کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ میرا تو آخری وقت آگیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ساری عمر کبھی شلوار نہیں پہنی تھی' لیکن جب معلوم ہو گیا کہ وقت آخر قریب ہے تو اس خیال سے کہ مبادا اس ہنگامے میں عریاں ہو جاؤں' شلوار منگائی اور پہنی۔ روایت میں الفاظ آئے ہیں کہ "وَشَدَّهَا" کہ اس کو خوب کس کر باندھا' تاکہ شہید ہونے کے بعد ستر نہ کھلنے پائے اور اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے الفاظ "وَاَكْثَرُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ" کو کہیں بٹہ نہ لگ جائے۔ شلوار پہنی اور پھر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا قطرہ سورۃ البقرہ کے ان الفاظ پر گرا ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ﴾ "ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے" ــــ اس طرح وہ پیشینگوئی پوری ہوئی جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ :"میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا' اتنے میں عثمان رضی اللہ عنہ آگئے۔ آپؐ نے فرمایا : اے عثمان! تم سورۃ البقرہ پڑھتے ہوئے شہید کئے جاؤ گے اور تمہارے خون کا قطرہ آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر گرے گا۔ تم پر اہل مشرق و مغرب یورش کریں گے اور ربیعہ و مضر (دو قبیلے) کے لوگوں کے برابر تمہاری شفاعت قبول ہو گی اور تم قیامت میں بے کسوں کے سردار بنا کر اٹھائے جاؤ گے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید پیشین گوئیاں

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب کہ ایک مرتبہ آپؐ باغ میں تھے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف لا چکے تھے تو) تیسری بار دروازے پر دستک سن کر مجھ سے فرمایا کہ عثمان کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو ایک بلوے میں صابر رہنے پر جنت کی خوشخبری سناؤ"۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ :"ایک دن رسول اللہ

ﷺ نے فتنوں کا ذکر کیا اور ان کا قریب ہونا بیان کیا۔ اتنے میں ایک صاحب اپنا سر لپیٹے ہوئے نکلے جس سے ان کا منہ چھپا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اُس دن حق پر ہو گا۔ میں نے لپک کر ان صاحب کے ہاتھ پکڑ لئے اور ان کا چہرہ کھول کر حضورؐ کی طرف کرتے ہوئے عرض کیا "یہی؟" آپؐ نے جواب میں فرمایا "ہاں یہی" ـــــ یہ صاحب حضرت عثمان ؓ تھے"۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی بیان کیا ہے۔

استیعاب میں ہے کہ زرارہ بن نخعی ؓ نے نبی اکرم ﷺ سے اپنا خواب بیان کیا کہ "میں نے دیکھا کہ ایک آگ نکلی جو میرے اور میرے بیٹے کے درمیان حائل ہو گئی"۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ وہ فتنہ ہے جو میرے بعد ہو گا۔ لوگوں نے دریافت کیا: یارسول اللہؐ! فتنہ کیسا؟ حضورؐ نے فرمایا: "آگ وہ فتنہ ہے جس میں لوگ اپنے امام کو قتل کر ڈالیں گے، جس کے بعد آپس میں خوب لڑیں گے، مسلمان کا خون مسلمان کے نزدیک پانی کی طرح خوشگوار ہو گا، برائی کرنے والا اپنے آپ کو نیک گمان کرے گا"۔ آنحضور ﷺ اس ارشاد میں "امام" سے مراد حضرت عثمان ؓ ہیں، کیونکہ ان کی شہادت کے بعد ہی مسلمانوں میں آپس میں خونریزی ہوئی۔

ترمذی میں حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس موقع پر حضرت عثمان ؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس میں یہ مظلوم شہید ہوں گے"۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے کہ عنقریب فتنہ و اختلاف ہو گا۔ ہم نے کہا آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ امین یعنی عثمان ؓ اور ان کے اصحاب کا ساتھ اختیار کرنا"۔

شہادت عثمان ؓ پر صحابہ ؓ کے تاثرات

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ شہادت عثمان ؓ سے قبل وفات پا چکے تھے، لیکن ان کے غلام ابو سعید سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کہا کرتے تھے کہ "خدا کی قسم اگر لوگ عثمان ؓ کو شہید کر دیں گے تو ان کا جانشین نہیں ملے گا"۔ حضرت سعید بن زید ؓ نے (یکے از عشرہ مبشرہ) شہادت عثمان ؓ کے بعد کہا: "اگر تمہارے

اس معاملہ سے جو تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے' خدا کا عرش اپنی جگہ سے ہل جاتا تو بعید نہیں تھا۔"

عالم اولین و آخرین یعنی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ : "لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنے اوپر ایسے فتنے کا دروازہ کھول لیا ہے جو قیامت تک بند نہ ہو گا۔ اب جو تلواریں کھنچ گئی ہیں وہ قیامت تک میانوں میں بند نہ ہوں گی" ——

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حسرت سے کہا کرتی تھیں کہ : "باغیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا حالانکہ وہ سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا ایک قول مروی ہے۔ محمد بن حاطب سے روایت ہے کہ کوفہ میں ایک مجلس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : "لوگ عثمان کے حق میں کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنوں کی پاسداری کی اور بری طرح حکومت کی اور لوگوں نے ان سے بدلہ لیا ہے' جبکہ میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ جب عنقریب حاکم عادل کے پاس جائیں گے تو وہ ان کا فیصلہ کر دے گا' ان کے لئے آگ ہو گی"۔ محمد بن حاطب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر مجھ سے کہا کہ : "اے محمد بن حاطب! جب تم مدینہ جاؤ اور لوگ تم سے عثمان کی بابت دریافت کریں تو کہنا کہ خدا کی قسم وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی قرآن نے یہ صفت بیان کی ہے : ﴿ اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ' وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ (جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا' ایمان لائے اور عمل صالح کیا' پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے۔ پھر تقویٰ اختیار کیا اور خوبی کے ساتھ اس کا حق ادا کیا' اور اللہ خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے) ——

روایات میں یہ واقعہ بھی نقل ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے آبان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ آپؓ نے ابان کو مخاطب کر کے کہا : "میں اُمید کرتا ہوں کہ میں اور تمہارے والد ان لوگوں میں سے ہیں جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی : ﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ ﴾ (ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہو گی اسے ہم نکال دیں گے' وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔)

مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر کہا کرتے تھے کہ : "یا الٰہی! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمان کے خون سے بری ہوں اور عثمان کے قتل کے دن میرے ہوش اُڑ گئے تھے" ـــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ : "لوگوں نے عثمان کے قتل کے بعد مجھ سے بیعت کرنا چاہی' میں نے کہا بخدا مجھے ان لوگوں سے بیعت لیتے شرم آتی ہے جنہوں نے اس شخص کو قتل کر ڈالا جس کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کیا میں اس سے شرم نہ کروں جس سے ملائکہ شرم کرتے ہیں" پس میں بھی خدا سے شرم کرتا ہوں۔ لوگ چلے گئے۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ دفن ہو گئے اور اُمت بغیر خلیفہ کے رہ گئی' اہل مدینہ نے بھی بیعت کے لئے اصرار کیا تو میں نے بیعت لے لی اور اُس وقت میں نے کہا : اے اللہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کا بدلہ مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کہا کہ "خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ بخدا اب قریش میں اس کثرت سے موت اور قتل واقع ہو گا کہ اگر کوئی ہرن اپنے مسکن میں جائے گا تو وہاں بھی کسی قرشی کے جوتے پڑے ملیں گے"۔

حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ : "اگر سب لوگ قتل عثمان پر متفق ہو جاتے تو ان پر مثلِ قومِ لوط پتھر برستے۔"

حضرت حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ : "عثمان رضی اللہ عنہ جس دن خلیفہ بنائے گئے اس دن وہ سب سے افضل تھے اور جس روز شہید کئے گئے اس دن وہ خلافت والے دن سے زیادہ اشرف تھے۔ ان سے زیادہ افضل و اشرف روئے زمین پر کوئی نہیں تھا۔ اور مصحف کے بارے میں وہ ویسے ہی سخت تھے جیسے ابو بکرؓ قتال مُرتدین اور مانعین زکوٰۃ کے بارے میں شدید تھے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر اتنے دل گرفتہ اور آزردہ خاطر تھے کہ انہوں نے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ ان سے مروی ہے کہ شہادت کے دن عثمان صبح اٹھے تو کہا کہ : "میں نے آج رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا' آپؐ نے

فرمایا : "اے عثمان آج تم روزہ میرے ساتھ افطار کرو"--- چنانچہ عصر کی نماز کے بعد جمعہ کے دن روزے کی حالت میں حضرت عثمان شہید ہوئے' رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ!

قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ میں سے چند ایک کا عبرتناک انجام

ابو قلابہ سے مروی ہے کہ : میں نے شام کے بازار میں ایک آدمی کی آواز سنی جو "آگ آگ" چیخ رہا تھا۔ میں قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ٹخنوں سے کٹے ہوئے ہیں اور دونوں آنکھوں سے اندھا منہ کے بل زمین پر پڑا گھسٹ رہا ہے اور "آگ آگ" چیخ رہا ہے۔ میں نے اس سے حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ "میں ان لوگوں میں سے ہوں جو عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھسے تھے۔ جب میں ان کے قریب گیا تو ان کی اہلیہ چیخنے لگیں' میں نے ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے' عورت پر ناحق ہاتھ اٹھاتا ہے۔ خدا تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے' تیری دونوں آنکھوں کو اندھا کرے' اور تجھے آگ میں ڈالے! مجھے بہت خوف معلوم ہوا اور میں نکل بھاگا۔ اب میری یہ حالت ہے جو تم دیکھ رہے ہو' صرف آگ کی بددعا باقی رہ گئی ہے۔"

نافعؒ سے مروی ہے کہ : "ایک بلوائی نے شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عصا لے کر اس کو اپنے گھٹنے سے توڑ ڈالا تھا' اس کی پوری ٹانگ گل گئی" ـــــ یزید بن حبیب سے مروی ہے کہ : "جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کر کے گئے تھے ان میں سے اکثر پاگل ہو کر مرے۔"

واقفِ اسرارِ نبویؐ یعنی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ "جب بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف چلے تو لوگ ان کے پاس آئے اور کہا کہ بلوائی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف گئے ہیں' آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا بخدا یہ لوگ ان کو شہید کر دیں گے۔ لوگوں نے پوچھا : شہید ہونے کے بعد کیا ہو گا؟ انہوں نے کہا : خدا کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں جائیں گے اور ان کے قاتلین کے لئے دوزخ ہے' جس سے ان کو کسی طور چھٹکارا نہیں ملے گا۔"

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا خواب

روایات میں آتا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما (جن کو بلوائیوں نے اس وقت زخمی کر دیا تھا جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محاصرے کی حالت میں پانی پہنچانا چاہتے تھے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خطبہ بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس خطبے میں انہوں نے اپنا ایک خواب بیان کیا۔ اس خواب سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم اسباب میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی ایک تو ظاہری شکل ہوتی ہے اور ایک باطنی حقیقت ہوتی ہے ـــــ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔

"لوگو! میں نے کل رات ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت لگی ہوئی ہے۔ پروردگارِ کائنات اپنے عرش پر متمکن ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور عرش کا ایک پایہ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور حضورؐ کے شانۂ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آتے ہیں اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ـــ پھر اچانک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس حال میں اس عدالت میں آتے ہیں کہ ان کا کٹا ہوا سر ان کے ہاتھوں میں رکھا ہوتا ہے اور وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں فریاد کناں ہوتے ہیں کہ اے پروردگار! اپنے ان بندوں سے جو تیرے آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں اور جو خود کو مسلمان کہتے ہیں' پوچھا تو جائے کہ مجھے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا؟ میرا آخر کیا گناہ تھا' کون سا جرم تھا جس کے بدلے میں میرا سر کاٹا گیا؟"

اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

"عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فریاد پر میں نے دیکھا کہ عرشِ الٰہی تھرایا اور آسمان سے خون کے دو پرنالے جاری کر دیئے گئے جو زمین پر خون برسانے لگے۔"

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اس بیان کے بعد لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (جو اس خطبہ کے

(باقی صفحہ ۶۸ پر ملاحظہ کیجئے)

عہدِ قاچاریہ

فکری اور سیاسی تبدیلیوں کا دور

بسلسلہ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۱۰)

ڈاکٹر ابو معاذ

نادر شاہ کے بعد ایران ایک بار پھر خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ بالآخر ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۶ء) میں قاچاریوں نے ایک مرکزی حکومت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ یہ لوگ قفقازی ترک تھے اور سالور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ شاہ اسماعیل صفوی کے باپ کے مرید تھے اور انہوں نے حصولِ حکومت کی جدوجہد میں صفویوں کی مدد کی تھی۔ اسی قبیلے کے ایک شخص فتح علی خان کو شاہ طہماسپ دوم نے اپنا نائب السلطنت بنا لیا تھا' جو نادر شاہ کے ہاتھوں قتل ہوا' کیونکہ نادر کا خیال تھا کہ شاہ طہماسپ فتح علی کے زیرِ اثر ہے۔ فتح علی خان کے دو بیٹے تھے' محمد حسین خان اور محمد حسن خان۔ محمد حسن خان نے نادر شاہ سے ڈر کر مشرقی ترکوں کے ہاں پناہ لے لی تھی۔ اُن دونوں مازندران (طبرستان) کا حاکم نادر شاہ کا بھتیجا عادل شاہ تھا (جو بعد میں اس کا جانشین بنا)۔ عادل شاہ نے محمد حسن خان کے دونوں بیٹوں کو اپنے ہاں بلوا لیا۔ محمد خان کو اس نے قوت مردانگی سے محروم کروا دیا جس پر وہ "آغا" کے لقب سے مشہور ہوا کیونکہ شاہی حرم کے خواجہ سرا کو آغا کہا جاتا تھا۔ اِسی آغا محمد خان نے قاچاری حکومت کی بنیاد رکھی۔

آغا محمد خان قاچار

آغا محمد خان نے خاندان زند کے دارالحکومت کرمان پر یلغار کر کے وہاں پر انسانی سروں کا مینار تعمیر کیا۔ پھر اس نے اصفہان' کردستان' عراق عجم اور آذربائیجان کو فتح کر لیا۔ بعد میں اس نے تحریص و تدبیر کے حربوں سے کام لیتے ہوئے افشار قبیلے کے سردار علی

خان افشار والی آذربائیجان کو اپنے ہاں بلوایا اور اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ پھر اپنے بھائیوں کو قتل کرنے یا ملک سے بھگانے میں کامیاب ہونے کے بعد جارجیا (گرجستان) پر ہلہ بول دیا۔ جارجیا اُن دنوں ایران کا صوبہ تھا' جس کے حکمران ہراکلیوس دوازدہم نے ایران کی داخلی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر رازداری اور خاموشی سے زار روس سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تھا۔ محمد خان نے ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۵ء) میں ساٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ تفلیس (تبلیسی) پر حملہ کر دیا اور شہر میں داخل ہو کر اہل شہر کو قتل کروا دیا' کلیساؤں کو نیست و نابود کیا اور پادریوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ سولہ ہزار افراد کو قیدی بنایا۔ پھر گنجہ کی جانب پیش قدمی کی اور اس پر بھی قبضہ کر لیا۔

اب اس نے شاہ اسماعیل صفوی کے مزار سے لائی ہوئی تلوار زیب کمر کی اور تاج شاہی سر پر رکھا۔ خود کو صفویوں کا سیاسی جانشین اور شیعہ مذہب کا حامی اور سرپرست قرار دیا اور اعلان کیا کہ امام غائب کے ظاہر ہوتے ہی وہ حکومت ان کے سپرد کر دے گا کیونکہ یہ بادشاہت اس کے پاس امام دوازدہم کی امانت ہے۔ جلد ہی اس نے خراسان پہ قبضہ کر کے نادر شاہ کے خاندان کے آخری فرد شاہ رخ کو گرفتار کر لیا۔ اُس وقت شاہ رخ کی عمر ساٹھ برس تھی۔ اس کے سر پر پگھلا ہوا سیسہ ڈالا اور اورنگ زیب کا مشہور ہیرا چھین کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر کار یہ ظالم بادشاہ خود اپنے ہی محافظوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

فتح علی شاہ

آغا محمد خان قاچار کا بھتیجا فتح علی شاہ قاچار ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۷ء) میں بادشاہ بنا۔ اس کا زمانہ بغاوتوں اور شورشوں کا تھا۔ اس کے زمانے میں روسیوں نے ایران سے جارجیا چھین لیا۔ اس نے انگریزی سفیر کپتان میلکم کے توسط سے ۱۸۰۰ء میں سلطنت برطانیہ سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت افغانوں پر دباؤ' فرانسیسیوں سے تجارتی مراعات کی واپسی اور انگریزوں کے لئے ایران کی بندرگاہوں کا آزادانہ استعمال شامل تھا۔ ساتھ ہی انگریزوں کو ایران میں برآمدات کی آزادانہ اجازت دے دی گئی تھی۔ اس دوران

نپولین نے بھی ایرانیوں سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کی جس کا مثبت جواب نہ ملا۔ ۱۸۰۳ء میں روس نے ایران سے طویل جنگ چھیڑ دی جو دس برس تک جاری رہی۔ ۱۸۰۵ء میں نپولین بھی روس سے نبرد آزما ہو گیا۔ بالآخر ۱۸۰۷ء میں فتح علی قاچار نے نپولین سے اس کے روس سے دشمنی کے مدنظر ایک اہم دفاعی معاہدہ کر لیا' جس میں انگریزوں کے خلاف ممکنہ مہم جوئی کے دوران ہندوستان پر حملہ کے موقع پر تعاون کا وعدہ بھی شامل تھا۔

اب فرانس کے ساتھ دفاعی معاہدے کے بعد انگریز بھی ایران میں متحرک ہو گئے اور انہوں نے ۱۸۰۸ء میں سربار فورڈ جونز کو ایران بھجوایا۔ اس دوران فتح علی شاہ بھی نپولین کے رویہ سے مایوس ہونے لگا تھا۔ حکومت برطانیہ نے ایران سے ایک لاکھ بیس ہزار پاؤنڈ سالانہ کی امداد کا وعدہ کیا۔ بعد ازاں ۱۸۱۱ء میں سرگور اوسلے تہران میں برطانیہ کا سفیر مقرر ہوا۔

ایران اور روس کی طویل جنگ بالکل آخری معرکہ پر ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۲ء) میں ختم ہوئی اور اس کے نتیجے میں ایران کے بہت سے علاقوں پر روس قابض ہو گیا۔ پھر قراباغ کے ضلع گلستان میں روس کے ساتھ بدنام زمانہ "معاہدہ گلستان" پر دستخط ہوئے جس کے تحت ایران دربند' باکو' شروان' شوش' قراباغ اور طائش سے دستبردار ہو گیا۔ اسی طرح گرجستان (جارجیا)' داغستان' منگریلیا' ایمرشیا اور ابحازیہ کے علاقے روس کو تفویض ہو گئے اور ایران کا ان خطوں پر کوئی حق باقی نہ رہا۔ جب تمام متنازعہ علاقے روس کو مل گئے تو مسئلہ خود بخود ختم ہو گیا' مگر ایران میں ہر طرف مایوسی کا دَور دَورہ شروع ہو گیا۔ داخلی شورشوں اور عوام کے اکسانے پر فتح علی پھر روس پر حملہ آور ہوا تا کہ مسلمانان قفقاز کی مدد کر سکے۔ لیکن روسی بڑھتے ہوئے تبریز پر قابض ہو گئے۔ ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) میں روس سے مصالحت کے لئے "ترکمن چائی" کا معاہدہ ہوا جس کے تحت ایروان' نخجوان اور نواحی سرسبز و شاداب علاقے روسیوں کو مل گئے۔

فتح علی قاچار کی چار سو بیگمات اور دو سو ساٹھ بچے تھے اور وہ رعایا کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک روا رکھتا تھا۔ ہر طرف بے چینی اور پریشانی کا دَور دَورہ تھا اور ملک شکست و

ریخت سے دوچار ہو رہا تھا۔ اسی بے چینی نے بعد میں قومی اصلاحی تحاریک کو جنم دیا جو ناصرالدین کے زمانے میں پروان چڑھیں۔

اِسی زمانہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے نجد سے اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ شیخ نے اپنی تعلیم اصفہان اور بصرہ سے مکمل کی تھی۔ وہ نجد کے صدر مقام درعیہ کے شہزادہ ابن سعود اور اس کے بیٹے عبدالعزیز کی مدد سے ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) میں کربلا پر حملہ آور ہو گیا اور وہاں پر پانچ ہزار مرد و زن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایرانی مورخوں کے مطابق انہوں نے امام حسین کے روضہ کی ضریح توڑ دی اور مزار کی نفیس اشیاء، گراں بہا جواہرات، سونے اور چاندی کی قندیلیں اور سونے کی اینٹیں لوٹ لیں۔ فتح علی شاہ قاچار نے والی بغداد سلیمان پاشا کو تلقین کی کہ وہ ضروری اقدامات کرے۔ تھوڑی مدت کے بعد سلیمان پاشا فوت ہو گیا تو عبدالعزیز کے اثر و نفوذ میں اضافہ ہو گیا اور ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) تک نجد کے آس پاس کے علاقے اُس کے تسلط میں آ گئے۔ اب اس نے مسقط پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ سلطان مسقط نے وہابیوں کے خلاف ایرانیوں سے مدد مانگی۔ ایرانی لشکر وہاں پہنچا، پھر وہاں سے چل کر درعیہ (نجد) کی طرف کوچ کیا جہاں محمد علی پاشا والی مصر کے ساتھ مل کر عبدالعزیز اور محمد بن عبدالوہاب کے مشترکہ لشکر کا مقابلہ کر کے انہیں شکست فاش سے دوچار کیا۔

محمد شاہ قاچار

فتح علی شاہ کے بعد اس کا پوتا محمد شاہ پسر عباس مرزا ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں ایران کا بادشاہ بنا۔ اسے حصول حکومت میں انگریزوں اور روسیوں کی حمایت حاصل تھی۔ اس نے مشہور ماہر سیاست اور مشہور نثر نگار قائم مقام وزیر اعظم کو مروا دیا۔ اس نے انگریزوں سے بے اعتنائی برتی اور ۱۸۳۸ء میں انگریزوں نے ایران میں اپنا سفارت خانہ بند کر دیا۔ ایرانیوں نے ہرات کا ناکام محاصرہ کیا اور پھر انگریزوں کے خلیج فارس میں بڑھتے ہوئے دباؤ کے تحت، وہاں سے محاصرہ اٹھا لیا۔ پھر خراسان میں بغاوت ہوئی۔ محمد شاہ کے زمانے کے کچھ واقعات بہت اہم ہیں جو بعد میں ایران میں فکری انقلاب کا پیش

خیمہ ثابت ہوئے۔ اس کے وزیر اعظم حاج مرزا آقاسی کی سخت گیری اور ظالمانہ مالیاتی نظام کے سبب محب وطن اور آزادی کے متوالے ملوکیت کے خلاف آواز اٹھانے لگے۔ اس نے اس تحریک کو کچلنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور انہیں چن چن کر مروایا۔ اس طرح انہیں انقلاب کی راہ دکھلائی۔

محمد شاہ قاچار نے ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) تک حکومت کی۔ اس کے عہد میں اسماعیلیوں کے امام خلیل اللہ کے صاحبزادے آغا خان محلاتی نے حاجی مرزا آقاسی (وزیر اعظم) کے معاندانہ رویہ کے پیش نظر علم بغاوت بلند کیا اور کرمان کے قلعہ بام کو فتح کر لیا۔ جلد ہی حاکم کرمان فیروز مرزا نے یہ قلعہ واپس لے لیا۔ بالآخر آغا خان مایوسی کے عالم میں ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں ایران کو خیرباد کہہ کر ہندوستان میں بمبئی کے شہر میں قیام پذیر ہو گئے۔ پرنس کریم آغا خاں انہی کی اولاد سے ہیں۔

اسی دوران ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں حاکم بغداد نجیب پاشا (جو عثمانیوں کا نمائندہ تھا) نے کربلا میں اہل تشیع کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس واقعہ پر حکومت ایران نے عثمانیوں سے سخت احتجاج کیا۔ انگریز اور روسی مصالحت کے لئے آگے بڑھے اور بالآخر ایک معاہدہ طے پایا جس کے تحت عثمانیوں نے مجمرہ (موجودہ بوشہر) شہر اور بندرگاہ، جزیرۃ الخضر اور شط العرب کے مشرقی ساحل کو واگزار کر کے ایران کے حوالے کر دیا اور حکومت ایران سلیمانیہ کے علاقوں سے دستبردار ہو گئی۔ ایران کو خلیج فارس کے راستے جہاز رانی میں کامل آزادی نصیب ہو گئی، ایران کے بلجیم، سپین اور برطانیہ سے تجارتی معاہدے طے پائے اور یورپی ممالک سے دوستانہ تعلقات استوار ہوئے۔

اسی دوران شیراز کے باشندے علی محمد باب نے ایک نیا مذہب پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ وہ امام وقت کا نمائندہ اور مبشر ہے۔ اس کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر مایوس ایرانی باشندوں نے اس کی طرف توجہ دی۔ اس طرح اس کے حلقۂ اثر میں اضافہ ہوتا گیا۔

ناصر الدین شاہ قاچار

اس نے ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) سے ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) تک پورے طمطراق سے نصف

صدی تک ایران پر حکومت کی۔ اس کے عہد میں ایران میں تیزی سے سیاسی اور سماجی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس نے محلاتی سازشوں اور داخلی یورشوں کا قلع قمع کر کے حکومت کو مستحکم کیا۔ مرزا تقی امیر نظام جیسے وزیر باتدبیر نے اس زمانہ میں اصلاحات کا نفاذ کیا اور مرکزی طاقت میں اضافہ کر کے امراء اور مجتہدین کی طاقت کو کم کیا' لیکن حاسدین کی کوششوں سے یہ وزیر قید ہوا اور ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) میں قتل کروا دیا گیا۔

اسی دوران خوارزم (جو ایران کا حصہ تھا) کے حکمران نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور محمد امین خان شاہ خوارزم مرو پر لشکر کشی کرنے کے بعد سرخس پر حملہ آور ہوا۔ بالآخر قید ہوا اور ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء) میں قتل کروا دیا گیا۔ اسی دوران روسیوں نے ایران پر ایک بار پھر ہلہ بول دیا۔ روسی خوقند اور بخارا کو فتح کرنے کے بعد بحیرۂ یورال تک چڑھ دوڑے اور پھر خوارزم پر قابض ہو گئے۔ ایرانی ہرات کی جانب بڑھے تو انگریزوں نے ایک بار پھر ایرانی سواحل خصوصاً خرم شہر کی بندرگاہ پر حملہ کر دیا اور پھر ایک معاہدہ کے تحت ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں آخر کار ایران ہمیشہ کے لئے ہرات پر اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گیا۔ اسی دوران بلوچستان کی مستقل حد بندی ہوئی اور ایران اور برطانوی ہند میں ۱۸۶۴ء میں یہ علاقہ تقسیم کر دیا گیا۔ اسی طرح سیستان ایران اور افغانستان میں تقسیم ہو گیا۔ پھر ایران اور ترکیہ کی حد بندی بھی مکمل ہوئی۔ اس کے عہد میں ٹیلی گراف کا مربوط نظام قائم ہوا۔ پھر ایک انگریز رائٹر کو ۱۸۷۲ء میں ریل چلانے' کان کنی اور بینک کا ٹھیکہ دیا گیا مگر امراء کی مخالفت کے باعث یہ ٹھیکہ منسوخ کرنا پڑا۔ بحیرہ کارون میں انگریزوں کو جہاز رانی کا ٹھیکہ ملا' مٹی کے تیل کی وسیع پیمانے پر دریافت ہوئی' اہواز سے اصفہان تک پختہ سڑک تعمیر کی گئی۔ امپیریل بینک آف پرشیا اور روسی بینک قائم ہوئے۔

اب ہم قاچاری عہد میں علماء کرام کی سرگرمیوں اور اصلاحی تحریکوں کا جائزہ لیں گے' جن کے نتیجہ میں ایران میں بیداری کی لہر اٹھی اور ایران ازمنہ تاریک سے نکل کر شعور اور بیداری کے دور میں داخل ہو گیا۔

بابی مذہب اور بہائی عقائد

اس مذہب کا بانی علی محمد باب تھا۔ ۱۸۲۰ء میں شیراز میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ عطار تھا مگر اس نے علی محمد کو کربلا میں مذہبی تعلیم کے حصول کے لئے بھجوایا۔ ۲۴ برس کی عمر میں اس نے ایرانی عوام میں پیدا ہونے والی بے چینی اور بے اطمینانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے باب (یعنی امام غائب کا دروازہ) ہونے کا اعلان کیا۔ اسی برس اس نے حج کیا اور پھر واپسی پر بوشہر میں اپنا مذہب پیش کیا۔ وہاں سے کچھ کامیابی حاصل کر کے شیراز واپس آیا۔ لوگوں کی سخت مخالفت کے باعث وہاں سے اصفہان آگیا۔ حکومت وقت نے اسے قید کر کے شمالی علاقے کے شہر ماکو میں نظر بند کر دیا۔ آخر کار علماء کے فتوے کی رُو سے تبریز میں ۱۸۵۰ء میں مروا دیا گیا۔

باب کے عقائد کی رُو سے خدا ایک ہے اور باب خدا کا آئینہ ہے۔ اس نے اسلامی شریعت کی تنسیخ کا اعلان کرتے ہوئے اپنی شریعت کے آغاز کا اعلان کیا اور کہا کہ میرے پیروکاروں کو اب مسلمان نہ کہا جائے۔ دن میں ایک نماز اور سال میں انیس روزے قرار دیئے۔ آزادی نسواں کو نئے مذہب کا اہم رکن قرار دیا اور شخصی آزادی کا تصور پیش کیا۔ جبر و استبداد سے پسے ہوئے عوام جو کہ امام کے ظہور کے منتظر تھے' اس سے متاثر ہونے لگے اور اس کی تحریک دُور دُور تک پھیلنے لگ گئی۔ ۱۸۵۰ء میں اس کے حامیوں نے یزد شہر پر قابض ہونا چاہا مگر ناکام رہے' پھر کرمان کا رخ کیا' پھر وزیر اعظم امیر نظام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جس کا راز افشاء ہو گیا اور کئی بابی تختہ دار کی زینت بنے۔ قزوین کے نواحی قصبہ زنجان کے ملا نے بابی مذہب اختیار کر لیا۔ بابی آہستہ آہستہ دہشت گردی کی زیر زمین سرگرمیوں میں ملوث ہونے لگے۔ ۱۸۵۲ء میں ایک بابی نے بادشاہ ناصر الدین پر بندوق سے حملہ کیا مگر نشانہ چوک گیا اور ممکنہ قاتل دھر لیا گیا۔ پھر بابیوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس تحریک میں ایک مشہور شاعرہ طاہرہ قرۃ العین کا کردار طلسماتی حد تک اہم ہے۔ اس کا نام نقطہ زرین تاج تھا اور اسے باب نے طاہرہ کا لقب دیا۔ یہ شاعرہ حسن و جمال'

علم و فہم، دانش و تدبر اور شعر و سخن کا پیکر تھی۔ طاہرہ قزوین کے مشہور عالم دین حاجی ملا صالح کی بیٹی تھی۔ وہ اپنے چچا ملا محمد کے بیٹے سے بیاہی گئی تھی۔ ملا محمد مجتہد تھا۔ طاہرہ نے حدیث، تفسیر، اصول و فقہ کے علاوہ فلسفہ اور الٰہیات کی تعلیم پائی تھی۔ طاہرہ معاشرے پر روا رکھی جانے والی بے جا پابندیوں کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور آزادی نسواں کا تصور پیش کیا۔ سب سے پہلے اپنے گھرانے کے افراد سے الجھی اور خفیہ طور پر باب کو خط لکھ کر اپنے افکار کا اظہار کیا۔ باب کے جواب میں اپنے سوالات کا جواب پا کر وہ اس کی پیرو کار بن گئی۔ اپنے سسرال سے ناطہ توڑ کر وہ کربلا چلی گئی۔ کچھ عرصہ بغداد میں بھی مقیم رہی اور وہاں پر علماء سے مناظرے کئے۔ وہاں کے عثمانی ترک گورنر نے اسے واپس ایران بھجوا دیا اور واپسی پر اپنے میکے میں ٹھہر گئی۔ جمعہ کے خطبہ کے موقع پر اس کا چچا مجتہد ملا محمد ایک بابی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ پھر جب اہل شہر نے شور و غوغا بلند کیا تو وہ چپکے سے تہران آ گئی۔ یہاں سے طاہرہ بغداد چلی گئی اور پھر تہران آئی۔ وہاں سے سرکردہ بابیوں کی کانفرنس میں بیدشت کے مقام پر شریک ہوئی۔ وہاں پر اس نے اپنا حجاب اتارا اور مشہور تقریر کی۔ اس کے بعد وہ گرفتار ہوئی۔ بادشاہ کے چھوڑنے کے باوجود وہ ۱۲۶۴ھ (اگست ۱۸۵۲ء) میں علماء کے ایک فتوے کی رُو سے قتل کروا کے تہران میں ایک اندھے کنویں میں پھنکوا دی گئی۔

اس کی زندگی کے حالات مشہور بابی مولفہ مارتھا روٹ (جو امریکی خاتون تھی) نے طاہرہ نامی انگریزی کتاب میں قلمبند کئے ہیں۔ یہ خاتون انیسویں صدی کے آخر میں قزوین آئی تھی اور وہاں سے طاہرہ کے احوال زندگی اور غزلیات جمع کر کے ہندوستان آئی جہاں اس کی ملاقات بلبل ہند سروجنی نائیڈو سے ہوئی اور سروجنی نائیڈو نے اس سے علامہ اقبال کیلئے طاہرہ کی کچھ فارسی غزلیات نقل کیں۔ علامہ اقبال نے ان غزلیات کے مطالعے کے بعد جاوید نامہ میں اس کا ذکر ان بے چین روحوں میں کیا ہے جو جنت تک تو نہ پہنچ پائیں مگر حیات جاوید پا گئیں اور اُسکی غزل نقل کی جس کا مطلع درج ذیل ہے ؎

گر بتو افتدم نظر چہرہ بہ چہرہ روبرو
شرح دہم غم ترا نقطہ بہ نقطہ مو بہ مو

باب کی وفات کے بعد مرزا یحییٰ صبح ازل اس کا جانشین بنا جس کے بڑے بھائی نے بہاء اللہ کے لقب سے بہائی مذہب کا آغاز کیا اور خود امام زمانہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ لوگ حکومت ایران کی سختیوں کے باعث بغداد' کردستان ہوتے ہوئے استنبول چلے گئے اور وہاں سے ادرنوپل کے مقام پر گوشہ نشین ہو گئے۔ یہیں پر بہاء اللہ سے ملاقات کرنے کیلئے مشہور انگریز خاور شناس (orientalist) محقق ڈاکٹر جی ای براؤن آیا اور بہاء اللہ سے اپنی تاریخی ملاقات کا حال لکھا۔ بہاء اللہ کے بیٹے عبدالبہاء نے وہاں سے ارض فلسطین کا رخ کیا اور انگریزوں کے وہاں پر قابض ہونے کی راہ ہموار کی۔ (ناچیز کے سلسلہ ہائے مضامین میں' جو صراط مستقیم برمنگھم میں چھپے ہیں' بابی اور بہائی مذہب پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔)

قاچاری عہد اور شیعہ علماء

قاچاری عہد میں دینی علماء کو گراں قدر جاگیریں عطا ہوئیں اور یہ لوگ بھی شاہی نوازشات کے نتیجہ میں ایران کے جاگیردارانہ طبقہ میں شامل ہو گئے۔ پھر ان کی سرکاری سرپرستی میں درجہ بندی ہوئی۔ طالب علم "طلاب" کہلائے۔ فارغ التحصیل ہونے والے علماء کچھ عرصہ کے بعد "ثقۃ الاسلام" کہلائے اور سینئر علماء "حجت الاسلام" کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ان سے بلند پایہ لوگ "آیت اللہ مجتہد" کہلوائے اور پھر قم کے مذہبی حلقہ سے ایک عہد میں دس "آیت اللہ العظمیٰ" منتخب ہوتے تھے جو مرجع تقلید کہلانے لگے۔ اس طرح عوام سے لے کر آیت اللہ العظمیٰ تک ایک منظم اور مربوط مذہبی نظام کا ادارہ قائم ہو گیا جس کا تنظیمی نظم وضبط عیسائیت کے کلیسائی نظام کی طرح بے نظیر معلوم ہوتا ہے۔ ایران کے وہ علاقے جو شیعہ آبادی پر مشتمل تھے اور روس کے قبضہ میں چلے گئے تھے (مثلاً آذربائیجان) وہاں بھی یہ نظام ابھی تک رائج ہے۔ اسی طرح عراق عرب جو بعد کے ادوار میں سلطنت عثمانی کا حصہ بن گیا' وہاں کے شیعہ حلقہ میں بھی یہی نظام باقی رہ گیا۔

فتح علی شاہ قاچار کے دور میں علماء کا اقتدار اور اثر ورسوخ بڑھتا چلا گیا۔ امیر نظام

کے بعد مرزا آقا خاں وزیر مقرر ہوا تو اس نے علماء و مجتہدین سے انتہائی قریبی تعلق استوار کر لئے۔ اسی دوران بادشاہ ناصرالدین بار بار یورپ کے سفر پر جاتا رہا اور وہاں سے واپس آکر اپنے ملک میں اصلاحات نافذ کرنے کے درپے ہوا۔ اس نے اپنے دوروں کے اخراجات سے ملک کو مالی طور پر سخت زیر بار قرض کر دیا۔ یورپ کے دوروں کے باعث علماء بھی شاہ سے بددل ہونے لگے۔ حسین خان وزیر اعظم کے خلاف بھی ایرانی علماء اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ کافروں کا تمدن ملک میں رائج کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ شاہ کے غیر ملکی دوروں کا انتظام کرتا ہے۔ بالآخر حسین خان کو وزارت سے علیحدہ کر کے اسے آذربائیجان کی حکومت سونپ دی گئی۔

اس دوران عوام میں بیداری کی لہر دوڑی تو علماء نے پینترا بدلتے ہوئے عوام کا ساتھ دینے کی بجائے شاہ کا ساتھ دیا اور جس کسی شخص کو کیفر کردار تک پہنچانا مقصود ہوتا اسے بہائی کہہ کر قابل گردن زدنی قرار دے دیا جاتا۔ تہران کے خطیب (امام جمعہ) کا نکاح بادشاہ کی ایک بیٹی سے ہوا تھا۔ ایک مشہور عالم دین مرزا آقا خاں کرمانی جنہیں جلاوطنی کی زندگی گزارنا پڑی وہ لکھتے ہیں کہ اس دور کے ملا کے لئے کسی بھی بے گناہ شخص کا خون بہانا ایک معمولی سی بات تھی۔ کوڑے مارنا' سنگسار کروانا اور گردن اڑا دینا قانونی قرار دے دیئے گئے تھے۔ اسی طرح ایک منحرف عالم دین شیخ زنجانی کے بقول ملا لوگ بہائی اور کافر کی اصطلاحات وسیع پیمانے پر استعمال کرتے تھے اور ایسے الزامات لگا کر وہ تاجروں' دوکانداروں اور کسانوں کو ختم کروا کے ان کی دولت پر قابض ہو جاتے تھے۔ اس طرح دینی مدرسوں کے طلبہ اور علماء کا کردار پولیس کے سپاہیوں سے بھی بدتر ہو چکا تھا۔ ۱۸۸۴ء میں جب آزادی رائے اور آزاد پریس کا ملک میں مطالبہ ہوا تو حاج ملا علی نے تہران سے وزیر اعظم کو ایک خط میں خبردار کیا کہ آزادی رائے صرف ظاہری طور پر ہی خوبصورت دکھائی دیتی ہے مگر درحقیقت اس کی اپنی قباحتیں ہیں' یہ بالآخر شاہ' مذہبی علماء اور عمائدین سلطنت کی کردار کشی کے لئے استعمال ہو گی' یہ بات بادشاہت کے مفادات کے منافی ہے کہ ہر کسی کو اپنی مرضی کی بات کہنے کا حق دے دیا جائے۔ (بحوالہ ہما ناطق' روحانیت و آزادیہائے دیموکراتیک ۶ مارچ ۱۹۸۲ء) یہ علماء کے مکمل اور مسلسل تعاون

کا نتیجہ تھا کہ ایران میں ۱۹۲۴ء تک قاچاری عہد قائم رہ سکا۔

بقول ڈاکٹر علی شریعتی کے یہ تمام حربے صفوی شیعیت کی نشانیاں تھیں جو حکومتوں نے اپنے تحفظ کے لئے ایک جالے کی طرح عوام کے اِرد گرد سیاہ شیعیت کی صورت میں بُن رکھا تھا۔ اپنے انتہائی آغاز کے دور سے صفوی شیعیت نے شیعہ مذہب کے سب سے اہم اصول یعنی رواداری کے برعکس سنی عوام پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ آپ کے بقول اصلی شیعیت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی میراث ہے وہ آزادی اور انقلاب کا راستہ دکھاتی ہے اور صفوی ظلم واستبداد کے باوجود اس کا وجود برقرار رہا ہے۔

ہر چند کہ علماء کو عمومی طور پر عوام میں ایک اہم مقام حاصل رہا مگر آہستہ آہستہ بیدار ذہنوں نے اور متبادل راستے بھی اپنانا شروع کر دیئے۔ پھر ایک موقع آیا جب وہ روایتی علماء سے ہٹ کر ایک روشن فکر مفکر سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ (جنہیں ایران میں جمال الدین اسد آبادی کہا جاتا ہے) کی قیادت میں متحرک ہو گئے اور اسی طرح اسلامی افکار کی وضاحت کے لئے آنے والے وقتوں میں انہوں نے علامہ اقبال (جنہیں وہ مولانا محمد اقبال لاہوری) کہتے ہے اور ڈاکٹر علی شریعتی کا اثر قبول کیا۔

سنی علماء کے بارے میں سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ وہ معاشی اور سیاسی طور پر آزاد نہیں ہیں اور معاشی اعتبار سے اولوالامر (یعنی حکومت وقت) کے محتاج ہیں' اس لئے وہ سنی دُنیا میں براہ راست عوام کے پاس جاتے ـــــ مگر شیعہ دُنیا میں انہیں معلوم تھا کہ علماء کسی حد تک خود مختار ہیں اور وہ براہ راست عوامی فنڈ یا دیگر ذرائع سے کسب معاش کرتے ہیں اس لئے براہ راست ان سے رابطہ کیا جائے۔ شیعہ دُنیا کے باضمیر علماء نے وقت آنے پر ان کا ساتھ بھی دیا اور ان کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے بے مثال قربانیاں دیں۔

سید جمال الدین افغانیؒ

سید جمال الدین اسد آبادی انتہائی صاحب بصیرت اور بیدار مغز انسان تھے۔ آپ دُنیائے اسلام کا دورہ کرتے ہوئے ترکی چلے گئے جہاں آپ نے فرسودہ اور قدیم روایات

سے ہٹ کر قرآن پاک کی بیباک انداز میں تشریح کرنا شروع کر دی' مگر اسی روشن فکری کی پاداش میں ۱۸۷۳ء میں شیخ الاسلام فہمی کے حکم سے ملک بدر کر دیئے گئے۔ اس سے قبل آپ نے حال ہی میں معرض وجود میں آنے والی استنبول یونیورسٹی میں مذہب اور سائنس کے عنوان سے لیکچر دیئے تھے۔ شیخ الاسلام نے ان خطبوں کو خلاف اسلام و پیغمبر اسلام قرار دیتے ہوئے آپ کی ملک بدری کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ وہاں سے مجبوراً لندن چلے گئے اور پھر جامعۃ الازہر کے شیخ محمد عبدہ کے ہمراہ ۱۸۸۳ء میں پیرس میں مقیم ہو گئے' جہاں سے "عروۃ الوثقیٰ" کے نام سے ایک مجلے کا آغاز کیا جو اپنی انقلابی تحریروں کے باعث بیشتر اسلامی ممالک میں ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب سنی دنیا میں خلیفہ (سلطان عثمانی) کو اولوالامر کا درجہ دے کر اس کی اطاعت کو لازمی قرار دیا جاتا تھا' مگر سید جمال الدین نے کہا کہ اسلام افراد کو سیاست و حکومت میں مطیع نہیں بلکہ شریک بناتا ہے۔ آپ کے نزدیک سیاست اور مذہب کا امتزاج وقت کا تقاضا تھا۔ آپ نے اسلام کو ایک ایسی طاقت قرار دیا جو اندرونی جبر و استبداد اور بیرونی سامراجیت سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ آپ کے بقول اسلام ایک جدید سائنسی مذہب ہے جو تحرک' سعی و عمل' وفاداری اور عزم و ہمت سے عبارت ہے۔ یہ تعمیر و ترقی کا مذہب ہے اور بد دیانتی کا قلع قمع کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ان کی حالت نہیں بدلتا جو خود بدلنا نہ چاہتے ہوں۔ آپ کی تعلیم یہ تھی کہ اسلام سب مسلمانوں کے لئے ہے اور وہ اپنے اپنے حالات کے مطابق اس پر عمل پیرا ہوں۔

پہلی بار آپ ترکی میں ناصرالدین قاچار سے ملے۔ شاہ نے آپ کو ایران آنے کی دعوت دی' لیکن جونہی اسے آپ کے جذبات کا احساس ہوا اس نے ۱۸۸۶ء میں آپ کی ملک بدری کا حکم دے دیا۔ پھر میونخ میں آپ سے شاہ کی ملاقات ہوئی اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ شخص بیرون ملک زیادہ خطرناک ہے' ۱۸۸۹ء میں شاہ انہیں اپنے ہمراہ ایران لے آیا۔ تہران پہنچتے ہی آپ کے عقیدت مند آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ بادشاہ نے بھی آپ کو اپنے قرب کے مواقع فراہم کئے اور کئی اہم سیاسی امور میں آپ سے مشورے لینے لگا۔

شاہ نے مارچ ۱۸۹۰ء میں تمباکو کا ٹھیکہ ایک انگریز کمپنی کو پندرہ ہزار پاؤنڈ اسٹرلنگ سالانہ کے عوض دے دیا۔ اس طرح تمباکو کے نرخ خود انگریز مقرر کر سکتے تھے اور عوام سے اونے پونے داموں تمباکو لے کر اسے کھلے بازار میں منگے داموں فروخت کر سکتے تھے۔ سید جمال الدین نے اس معاہدے کے خلاف رائے عامہ بیدار کی اور مختلف مقامات پر عوامی جلسوں میں تقریریں کر کے عوام کو اس کے خلاف اکسایا۔ اگرچہ یہ اجارہ داری کا معاہدہ عوام کی نگاہوں سے خفیہ رکھا گیا تھا مگر ایک بڑی تعداد میں عوام اس کاروبار سے وابستہ تھے۔ علاوہ بریں معاہدے کی رُو سے انگریزوں کو ہر مقام پر اپنے کارندے لانے اور بغیر تلاشی دیئے اپنی حفاظت کی غرض سے ہر قسم کا اسلحہ لانے کی آزادی بھی دے دی گئی تھی۔ پھر عوام کے روزمرہ استعمال کی چیز یعنی تمباکو کو استعمال سے قبل کافروں نے ہاتھ لگانا تھا۔

اس موقع پر سید جمال الدین کا خیال تھا کہ علماء کی اکثریت فکری اور عملی جمود کا شکار تھی اور وہ قرآن پاک کے مفاہیم کی وسعتوں کو سمجھنے سے بالکل قاصر تھی۔ تاہم کچھ صاحب بصیرت علماء بھی موجود تھے۔ ایسے علماء، روشن فکر اہل دانش اور عوام کی مدد سے سید جمال الدین نے ایک انقلابی تحریک کو منظم کرنا شروع کیا۔ آپ کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ ایک فردِ واحد جو آمر مطلق بنا بیٹھا تھا اور خود کو شاہ کہلاتا تھا، اسلامی افکار کی رُو سے اس نے عوام الناس کے حکومت کرنے اور شخصی آزادیوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رکھا تھا۔ سید جمال الدین کا یہ واضح موقف تھا کہ ایران کے غریب عوام غربت و افلاس اور جبر و استبداد کا شکار تھے اور شاہ نے اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے ایران اور اس کا جملہ مالیاتی نظام بیرونی سامراجی قوتوں کے ہاتھوں گروی رکھ دیا تھا۔ ایران میں پہلی بار آپ ہی نے شہنشاہیت کے خاتمے کا نعرہ (مرگ بر شاہ) لگایا۔

آپ کی مقبولیت کے خوف سے تہران میں موجود برطانوی مشن کے دباؤ پر بادشاہ نے آپؒ کو بالآخر تہران چھوڑنے کا حکم دیا تو آپ تہران کے نواح میں شاہ عبدالعظیمؒ کے مزار پر چلے گئے جہاں کی پرامن فضا میں پوری دلجمعی اور آزادی سے آپ اپنی عملی تحریک جاری رکھ سکتے تھے۔ آپ کی تحریک کی مقبولیت کے باعث عوام نے جوق در جوق شاہ

عبدالعظیم کے مزار پر جانا شروع کر دیا اور سید جمال الدینؒ کی تقاریر کے باعث عوام کا غیظ و غضب بڑھتا گیا۔ شاہ نے اس مقام کے تمام تر تقدس کو پامال کرتے ہوئے آپ کو اپنی فوج کے سپاہیوں کے ذریعے مزار کی حدود سے باہر نکالا اور ایران چھوڑنے کا حکم دیا۔ آپ ۱۸۹۱ء میں لندن پہنچے اور اگلے دو برس وہیں پر مقیم رہے۔ لندن میں آپ نے اپنی تحریک جاری رکھی اور مسلسل اپنے پمفلٹ اور کتابچے وہاں سے ایران بھجواتے رہے۔ آپ کے پیروکاروں نے شاہ کے خلاف اپنی مزاحمت جاری رکھی۔ خود جمال الدین افغانی بھی حکومت کے کارندوں کو خطوط لکھ کر صورت حال واضح کرتے رہے۔ شاہ کو تحریر شدہ ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو :

"تم روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ کو کس طرح چہرہ دکھاسکو گے جن کے امتیوں پر تم نے مصائب کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں۔ چند پاؤنڈوں کی خاطر تم نے غریب عوام کو ان کی محنت شاقہ کے ثمر سے محروم کر رکھا ہے جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکتے تھے۔ تم نے ان کے نوالے چھین کر کفار اور منکرین پیغمبرؐ کی جیبیں بھر دی ہیں"۔

آپ کے ایک حامی مرزا علی رضا کو جب تہران میں گرفتار کیا گیا تو حکومت کی جانب سے ایک خط برطانوی دفتر خارجہ کو لکھا گیا جس کے مطابق مرزا علی رضا کی خفیہ تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سید جمال الدین کا پیروکار ہے اور وہ ہندوستانی عوام کی انگریزوں کے ہاتھوں ذلت سے متاثر ہے۔ اس کے بعد اس خط میں اس بات کا اظہار کیا گیا تھا کہ ان تمام واقعات کے پیچھے دو عوامل کارفرما ہیں۔ ایک تو جدید تعلیم یافتہ لوگ ہیں اور دوسرے روایتی ملا۔ پہلا طبقہ شاہ کے ظلم و ستم اور مالیاتی بد دیانتی کو عوام کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا ہے جبکہ دوسرا طبقہ (علماء) یہ کہہ رہا ہے کہ مومنوں کو کفار کے پنجہ استبداد میں دیا جا رہا ہے۔ علماء کے بقول بینک' کانیں' تمباکو اور سڑکیں انگریزوں کو بیچی جا رہی ہیں جو بالآخر عوام کا غلہ اور پھر ان کی خواتین بھی چھین کر لے جائیں گے۔

عوامی بغاوت اور تمباکو کا مسئلہ : آیت اللہ شیرازی کا فتویٰ

اب عوام بپھرے ہوئے شیروں کی طرح باہر نکل آئے۔ سب سے پہلے شیراز کے

لوگوں (جو سب سے زیادہ تمباکو پیدا کرنے والے صوبہ فارس کا دارالحکومت تھا) نے شہر کے دروازے پر قبضہ کر کے برطانوی کمپنی کے کارندوں کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ پھر اصفہان کے تمباکو کے اہم تاجروں نے برسرعام اپنے تمباکو کے ذخائر کو جلا دیا۔ تہران کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ مشہور عالم جناب مرزا حسن آشیانی کو جلاوطنی کا حکم ملا ہے تو شہر میں قیامت برپا ہو گئی۔ ایران کی تاریخ میں پہلی بار خواتین بھی مظاہروں میں شامل ہو گئیں۔ مظاہرین مسجد شاہ کی جانب بڑھے تو وہاں کے خطیب نے منبر پر کھڑے ہو کر عوام کو پرامن رہنے اور منتشر ہونے کی اپیل کی۔ عوام نے امام کو منبر سے نیچے کھینچ کر مارا پیٹا اور نعرے لگاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔ خواتین مظاہرین نے دو شاہی کارندوں کو مار مار کر نڈھال کر دیا' ایک شخص نے شاہی خاندان کے فرد یعنی ریجنٹ کو چھرا گھونپ دیا۔ سرکاری عمارات اور ریجنٹ کے گھر کو نشانہ بنا کر عوام شاہی تنصیبات پر ٹوٹ پڑے۔ وہاں سے ان پر شاہی پولیس نے فائرنگ کر دی۔ یوں لگتا تھا کہ تمباکو تو ایک بہانہ تھا' گویا عوام عرصۂ دراز سے اس دن کے منتظر تھے جب وہ شاہ کے خلاف اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر سکتے۔

یہ خبر جب سید جمال الدین کو پہنچی تو آپ نے اُس وقت کے واحد مرجع تقلید آیت اللہ حسن شیرازی کو ایک خط لکھا جو اُن دنوں عراق کے ایک چھوٹے سے قصبے سامرہ میں مقیم تھے۔ اس خط کے مندرجات سے ایک اقتباس کچھ یوں ہے :

"آج کا ایران آپ جیسے عظیم مذہبی رہنما کی تائید اور رہبری کا منتظر ہے۔ اس ملک کا بادشاہ غدار ہے۔ اس کا وزیراعظم امین السلطان غاصب' بے دین اور ظالم ہے اور وہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے۔ مذہبی علماء کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی کرتا ہے' شراب پیتا ہے' سیدوں کو برا کہتا ہے' کفار کا دوست اور مسلمانوں کا دشمن ہے' غیر ملکی کفار کے فاسد ارادوں میں برابر کا شریک ہے' ایک غیر ملکی کمپنی کو اس نے تمباکو کا ٹھیکہ دے رکھا ہے اور شاہ کہتا ہے کہ یہ ایک محدود وقت یعنی صرف پچاس برس کے لئے ہے۔ غیر ملکی بینک کے قیام کا اختیار بھی غیروں کو دے دیا گیا ہے۔ اِدھر انگریز ایران کا سودا کر رہے ہیں اُدھر روس اب خراسان کو چھیننے کی سوچ رہا ہے۔ شاہ نے اپنی اغراض اور

ہوس کاری کے لئے قرضے لے رکھے ہیں' ملک کے صوبے نیلام ہو چکے ہیں' آپ مشاہیر اسلام کے سربراہ ہیں۔ اگر آپ نے رہنمائی نہ کی تو یہ ملک اغیار کے ہاتھوں بک جائے گا۔ یہاں کے سب علماء آپ کے فیصلے کے منتظر ہیں۔"

بالآخر آیت اللہ شیرازی کی طرف سے فتویٰ جاری ہو گیا۔ اس فتوے کی رُو سے تمباکو کا استعمال اور انگریزوں سے تمباکو کا کاروبار خدا' رسول اور امام وقت سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اس فتوے کے جاری ہوتے ہی شاہی انتظامیہ مفلوج ہو کر رہ گئی۔ لوگوں نے اپنے حقے توڑ دیئے۔ اس فتوے کا یہ اثر ہوا کہ جب بادشاہ نے حقہ طلب کیا تو اس کی بیگمات اور نوکروں نے اس موقف کی بنا پر شاہ کو حقہ پیش کرنے سے انکار کر دیا کہ ایسا کرنا مرجع تقلید کے فتوے کی خلاف ورزی ہو گا۔ تمباکو کے بارے میں تمام امور معطل ہو گئے۔ (اسی کامیابی کے بعد گاندھی نے ترک موالات کا سوچا تھا۔) لوگوں نے ایک اور فتویٰ بھی شائع کر دیا کہ اگر ۴۸ گھنٹے میں یہ معاہدہ منسوخ نہ ہوا تو پھر جہاد شروع ہو جائے گا۔ عوام بلووں پر اتر آئے اور مسلح تصادم کی نوبت آ گئی۔ شاہ کو یہ معاہدہ بالآخر منسوخ کرنا پڑا۔

حال ہی میں تحقیقات کی رُو سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ فتویٰ جعلی تھا اور تہران کے تمباکو کے تاجروں نے خود ہی فتویٰ لکھ کر شائع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر ہما ناطق (جنہوں نے سید جمال الدینؒ پر ڈاکٹریٹ کی ہے) اور ڈاکٹر شریعتی کے قریبی ساتھی اور تہران یونیورسٹی میں تاریخ کے استاد تھے' لکھتے ہیں کہ بہت سے علماء جن میں شیخ حسن کربلائی بھی شامل تھے اور جنہوں نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا' وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ فتویٰ ایران کے تمباکو کے مایوس اور پریشان حال تاجروں نے خود ہی گھڑ لیا تھا۔ اس فتویٰ کی مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ خود آیت اللہ العظمیٰ بھی اس کی تردید نہ کر سکے۔

ہر چند کچھ علماء اس تحریک میں شامل ہوئے لیکن اکثر علماء نے اس سے لاتعلقی جاری رکھی۔ عوام کے شبینہ خطوط اُن دنوں اکثر اوقات لوگوں میں تقسیم ہوتے رہتے تھے۔ ایک ایسے خط میں یہ لکھا ہے کہ "آپ لوگ اس لئے ملا بنے پھرتے ہیں کہ آپ کو عوام نے چندے دے دے کر اس مقام پر پہنچایا ہے اور انہی کے خرچ پر آپ لوگوں نے تعلیم

حاصل کی ہے۔ مزدور، کسان اور تاجروں کے خون پسینے کی کمائی اس لئے آپ پر صرف نہیں ہوئی کہ آپ خاموش تماشائی بن جائیں۔ آپ لوگ عوام کا کیوں ساتھ نہیں دیتے؟" یہ فتویٰ کہیں سے بھی آیا ہو بہرحال عوامی تحریک کو اس موقع پر مذہبی تائید حاصل ہوگئی۔ یہ ثابت ہوگیا کہ ایران کی ہر وہ سیاسی تحریک جسے مذہبی تائید حاصل ہو اس کی کامیابی کے روشن امکانات ہوا کرتے ہیں۔

تمباکو کے معاہدے کی تنسیخ پر برطانوی کمپنی نے ہرجانے کا دعویٰ کر دیا۔ چنانچہ پانچ لاکھ پاؤنڈ کی خطیر رقم برطانوی امپریل بینک سے چھ فیصد سالانہ سود پر قرض لے کر ادا کی گئی، اور عوام پر اس کا بوجھ بھی آپڑا۔ علماء نے یہ سمجھ لیا کہ معاملہ ختم ہوگیا ہے، اس لئے وہ دوبارہ خاموش ہوگئے۔ یہ مالی نقصان ایک طرف رہا، لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ عوام کی مرضی کے خلاف ایران میں کوئی کام بھی ممکن نہیں ہوگا۔

سید جمال الدینؒ کا ایک اور خط

لندن سے آپ نے علماء کو لکھا کہ بادشاہ اب آپ کو اور عوام کو دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ چنانچہ اپنی فوج اور پولیس کو یورپی کرائے کے افسروں اور فوجیوں کی مدد سے منظم کر رہا ہے اور اگر اسے موقع مل گیا تو پھر کچھ بھی نہیں بچے گا۔ یہ خط جو آیت اللہ حسن شیرازی اور دیگر علماء کو لکھا گیا اس کے کچھ مندرجات اس طرح ہیں۔

"اے مذہبی رہنماؤ! آپ کا فتویٰ سامنے آنے سے اسلام کی عظمت زندہ ہوگئی ہے۔ اس عظیم روحانی طاقت کے سامنے اہل مغرب ٹھہر نہیں سکے۔ یہ معلوم ہو گیا ہے کہ آپ عوام کے لئے ایک مضبوط حصار ہیں۔ لیکن امر افسوس یہ ہے کہ وہ ظالم (بادشاہ) اب بھی برسر اقتدار ہے۔ اب وہ علماء کو صوبوں سے جلاوطن کر رہا ہے۔ فوج اور پولیس کی استعماری خطوط پر تنظیم نو کر رہا ہے۔ اگر کسی کا خیال ہے کہ شاہ کو اقتدار سے محروم کرنے کے لئے توپوں، بندوقوں یا فوج کی ضرورت ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ خدا نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ لوگوں کے پاس عظیم قوت ہے۔ آپ کے فتویٰ نے سب کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ آپ کا ایک لفظ سنتے ہی عوام آج کے فرعون کو نیست و نابود کر دیں گے۔ ایک شخص جس نے

مسلمانوں کا خون چوسا ہے' ان کی ہڈیاں توڑی ہیں اور قوم کو اقوام عالم میں ذلیل و رسوا کروا دیا ہے' یہ اس ملک و قوم کو اغیار کو سونپنے کے درپے ہے جو مذہب کی عظمت کی علامت رہا ہے۔ آج وزراء' کمانڈر' فوج' عوام اور ظالموں کے اپنے بچے آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ کا وہ ایک لفظ سننے کے منتظر ہیں جس کے بعد وہ اسے تاج و تخت سے محروم کر کے رکھ دیں گے۔"

اس خط میں کئی ایسی اندرونی سرکاری معلومات شامل تھیں جو شاہ کے قریبی کارندوں نے خفیہ طور پر سید جمال الدین کو بہم پہنچائی تھیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ آرمی کے افسروں اور جوانوں میں غیر ملکی افسروں کی شمولیت کے باعث بددلی پھیل رہی ہے اور وہ شاہ کے خلاف کسی وقت بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔

اسی دوران تہران میں موجود برطانوی سفارت خانے نے ایک خط ۱۸۹۲ء میں وزارت خارجہ کو تحریر کیا جس میں درج تھا کہ

"سید جمال الدین نے علماء کو ایک خط لکھا ہے جس میں بادشاہت کے خلاف واضح الفاظ میں غیظ و غضب اور نفرت کا احساس ہوتا ہے اور ہمیں (برطانیوں کو) ڈر ہے کہ اس خط سے خوفناک نتائج برآمد ہوں گے۔ حتیٰ کہ خود شاہ بھی اس خط کے مندرجات سے پریشان ہے اور اسے خوف ہے کہ کہیں ایران میں انارکی نہ پھیل جائے۔ اس خط کا اہم پہلو یہ ہے کہ شاہ کو سخت پریشانی اس امر پر ہے کہ بہت سے سرکاری راز بھی اس میں مندرج ہیں"۔

افسوس اس امر کا ہے کہ سید جمال الدین کے اس خط کا علماء پر خاطر خواہ اثر نہیں ہوا اور یہ لوگ مصلحتاً خاموش رہے۔ تمباکو کی تحریک کے بعد ان کے سامنے شاید اور کوئی مقصد ایسا نہیں تھا جس کے نام پر وہ عوام کو متحرک کر سکیں۔ علاوہ بریں وہ عوام کے سیاسی' سماجی اور اقتصادی مسائل کا واضح انداز میں حل پیش کرنے سے بھی قاصر تھے جن سے ایران انیسویں صدی کے نصف آخر میں دوچار تھا۔ اجتہاد کا استعمال محدود پیمانے پر تھا اور وہ بھی صرف معمولی شرعی مسائل کے حل تک۔ روشن فکر دانشوروں کی سوچ کو ابھی اسلامی اجتہاد کے دائرے میں لانا ابھی باقی تھا۔ اجتہاد کی ان نئی جہتوں کا ادراک علماء کو خاطر خواہ حد تک ابھی تک نہیں ہو سکا تھا۔

تاہم سید جمال الدین کا اثر و رسوخ اسلامی دُنیا پر بڑھتا رہا کیونکہ انہوں نے بادشاہت کے قدیم اور مستحکم ادارے کو نہ صرف غیر اسلامی کہہ کر چیلنج کیا تھا بلکہ مغربی استعمار کی لوٹ کھسوٹ اور معاشی استحصال کا توڑ بھی پیش کیا تھا۔ اب سید جمال الدین علماء کی بجائے براہ راست عوام کی جانب متوجہ ہونا شروع ہو گئے تھے اور آپ کو آخری زندگی میں یہ خیال بھی آگیا تھا کہ ان کے لئے کیا ہی بہتر ہو تا کہ وہ اسلامی افکار کی رُو سے ملت اسلامیہ کے سیاسی اور معاشی مسائل کے حل کا ادراک پیش کر سکتے۔ اب وہ سمجھتے تھے کہ اقتدار اعلیٰ سے ایک شخص کی علیحدگی سے بھی مسائل حل نہیں ہوتے جب تک فکری اور سماجی انقلاب برپا نہ کیا جائے۔ آپ نے تحرک' جدوجہد اور عمل کا راستہ پیش کیا اور آپ کے بقول آپ نے وہ بیج بوئے جن کا ثمر بعد میں ظاہر ہونا تھا۔

ناصرالدین قاچار کا انجام

شاہ ناصرالدین قاچار ۱۸۹۶ء (۱۳۱۳ھ) میں اپنی تخت نشینی کا پچاسواں سال (گولڈن جوبلی) منانے والا تھا اور اس جشن میں ابھی تین دن باقی تھے کہ وہ مزار شاہ عبدالعظیمؒ میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے آیا۔ سید جمال الدین کے ایک پیرو کار مرزا رضا کرمانی نے عین اس جگہ جہاں سے سید جمال الدین کو گھسیٹ کر باہر لایا گیا تھا شاہ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ مقدمے کی سماعت کے دوران جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ "اس (شاہ) نے اُس عظیم انسان (سید جمال الدین) کو جو پیغمبر اسلام کے خاندان سے تھے شاہ عبدالعظیم کی مقدس چار دیواری سے اس ذلت سے گھسیٹ کر نکالا تھا کہ ان کی شلوار بھی تار تار ہو گئی تھی۔ انہوں نے سچائی بیان کرنے کے علاوہ کیا کہا تھا؟ انہوں نے سوئے ہوئے لوگوں کو جگایا تھا اور بلند مقاصد کا بیج لوگوں کے دلوں میں بویا تھا۔ لیکن میں اس خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو سید جمال الدین اور کل دُنیا کا خالق ہے کہ میرے ارادۂ قتل کا علم میرے اور ان کے سوا کسی کو نہ تھا۔ سید اب قسطنطنیہ میں ہیں' جایئے اور اگر ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو کچھ کیجئے۔"

دراصل جمال الدین افغانی نے انقلاب کی راہ ہموار کر دی تھی اور لوگوں کو

آزادی کی جدوجہد کا درس دے دیا تھا۔ علامہ اقبال نے جمال الدین افغانی کی زبانی اپنی کتاب "جاوید نامہ" میں کیا عظیم پیغام دیا ہے ؎

عالمے در سینۂ ما گم ہنوز
عالمے در انتظارِ قُم ہنوز

(ایک تصوراتی جہان ہماری سوچوں کے دریچوں میں چھپا ہوا ہے۔ یہ جہان "قُم باذن اللہ" کے حکم کا منتظر ہے۔)

عالمے بے امتیازِ خون و رنگ
شام اُو روشن تر از صبحِ فرنگ

(یہ جہان رنگ اور نسل کے امتیازات سے خالی ہے اور اس کی شامیں بھی یورپ کی صبحوں سے زیادہ روشن ہیں۔) جس سے مراد یہ ہے کہ اس کا اوفی ترین پہلو بھی یورپ کی آزاد فضاؤں سے بہتر ہے۔

عالمے پاک از سلاطین و عبید
چوں دلِ مومن کرانش نا پدید

(یہ جہان بادشاہوں اور غلاموں سے پاک ہے۔ اور مومن کے دل کی مانند اس کی وسعتیں بے پناہ ہیں۔)

عالمے رعنا کہ فیضِ یک نظر
تخم او افگند در جانِ عمرؓ

(یہ جہان اتنا خوبصورت ہے کہ اس پر ایک نظر پڑتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جان میں نئے ولولوں کے بیج بکھر گئے تھے۔)

لایزال و وارداتش نو بنو
برگ و بارِ محکماتش نو بنو

(اس جہان پر کبھی زوال نہیں آسکتا اور اس میں نئے نئے انکشافات ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے ثمرات اور اس کے محصولات نئے سے نئے ہوتے ہیں۔)

باطنِ اُو از تغیر بے غمے
ظاہرِ اُو انقلابِ ہر دمے

(اس کا راز اُس تبدیلی میں ہے جو بغیر کسی کشت و خون یا غم کے رونما ہوتی ہے اور اس کے ظاہر میں ہر لمحے نئے سے نئے انقلابات آتے رہتے ہیں۔)

اندرونِ تست آں عالم نگر
می دہم از محکماتِ اُو خبر!

(اچھی طرح دیکھ، یہ جہان تم میں پوشیدہ ہے۔ غور کرو تو میں تمہیں اس کے ثمرات اور اسرار کی خبر دے سکوں۔)

دراصل افغانی کے اثرات اگلی صدی پر مرتب ہوئے جب اقبال اور شریعتی نے آپ کی پیروی میں ایک نئے ولولے سے مشرق کو روشناس کروایا۔

علامہ اقبال حضرت جمال الدین افغانی (رحمہما اللہ) کے وحدتِ ملتِ اسلامی (Pan Islamism) کے تصور سے بھی بے حد متاثر ہوئے۔ جاوید نامہ میں ایک آسمانی مقام پر مولانا روم سے پوچھتے ہیں :

من نیابم از حیات ایں جا نشاں
از کجا می آید آوازِ اذاں؟

(مجھے اس سرزمین پر زندگی کا کوئی نشان تو نظر نہیں آرہا مگر یہ اذان کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟)

گفت رومی ایں مقامِ اولیاست
آشنا ایں خاکداں با خاکِ ماست

(مولانا روم نے فرمایا "یہ اولیائے کرام کا مقام ہے اور یہ دھرتی ہماری سرزمین سے وابستہ ہے۔")

رفتم و دیدم دو مَرد اندر قیام
مقتدی تاتاری و افغاں امام

(ہم وہاں پہنچے تو دو حضرات کو نماز میں حالت قیام میں پایا۔ امامت کے فرائض افغانی (جمال الدین) انجام دے رہے تھے اور مقتدی ایک تاتاری (سعید حلیم پاشا) تھے۔)

قراتِ آں پیر مَردے سخت کوش
سورۂ والنجم و آں دشت خموش

(اس خاموش صحرا کی وسعتوں میں اس سخت کوش بزرگ کی سورۃ النجم کی قراءت نے ایک سرور اور ولولہ پیدا کر رکھا تھا۔)

ایرانیوں نے سید جمال الدین کی بابت کہے گئے علامہ اقبال کے ان اشعار کی روشنی میں تصاویر (paintings) بھی تیار کر رکھی تھیں۔ اصلی تصویر جناب عبدالحمید عرفانی کے پاس تھی جسے وہ علامہ اقبال کے اشعار کی وضاحت کے لئے اکثر و بیشتر سرورق پر طبع کیا کرتے تھے۔ یہ تصور انقلابِ اسلامی سے پہلے ایران میں بہت مقبول ہوا تھا۔ (جاری ہے)

بقیہ : شہیدِ مظلوم

وقت موجود تھے) شکایتاً کہا کہ آپ نے سنا' حسن کیا بیان کر رہے ہیں؟ کیونکہ یہ خواب تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہا تھا' قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ اسے کیسے گوارا کرتے ـــــ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ "حسن وہی بیان کر رہے ہیں جو انہوں نے دیکھا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ خون کے یہ دو پرنالے درحقیقت جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی صورت رواں ہوئے تھے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق پر اللہ کے غضب کی دو نشانیاں تھیں جس کی خبر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے دے چکے تھے کہ: "اللہ کا کوئی نبی شہید نہیں کیا گیا مگر اس کے بعد ستر ہزار لوگ قتل ہوئے اور کسی نبیؑ کا کوئی خلیفہ شہید نہیں کیا گیا مگر اُس کے بعد پینتیس ہزار لوگ مقتول ہوئے"۔ لیکن یہاں معاملہ چوراسی ہزار کا ہے جو ان دونوں جنگوں میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے زوال اور المناک انجام پر کہا تھا کہ ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المؤمنیں!

یہاں مستعصم کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیرالمومنین کا نام رکھ لیجئے تو اس شعر میں آپ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خواب کی تعبیر نظر آجائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار(۵)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے
نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

۱۳) غلطی سے محفوظ رہنے کی تدبیر بتانا :

حضرت ابو امامہ نے اپنے والد حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اُن کا ایک واقعہ روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکّہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ مقام جُحفَہ کی وادی خَرّار میں پہنچے تو وہاں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ غسل کرنے لگے۔ ان کا رنگ گورا تھا اور جلد بہت خوش رنگ تھی۔ قبیلہ بنو عدی بن کعب کے ایک صاحب حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے انہیں غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہا : ایسی جلد تو میں نے کبھی کسی پردہ نشین لڑکی کی بھی نہیں دیکھی (یعنی کتنا خوبصورت رنگ ہے)۔ اس پر حضرت سہل رضی اللہ عنہ تو وہیں زمین پر گر پڑے۔ کسی نے آکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : "یا رسول اللہ! کیا آپ سہل رضی اللہ عنہ کو دیکھیں گے' اللہ کی قسم! وہ تو سر بھی نہیں اٹھاتے' انہیں کوئی افاقہ نہیں ہو رہا (سخت بخار ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "کیا تم اس کے بارے میں کسی کو قصور وار سمجھتے ہو؟" صحابہ نے کہا: عامر بن ربیعہ نے انہیں (کپڑے اتارے ہوئے) دیکھا تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے عامر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا' اور انہیں سرزنش فرمائی۔ ارشاد فرمایا: "ایک آدمی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ اگر تجھے ایک چیز اچھی لگی تھی تو تو نے برکت کی دعا کیوں نہ دی؟" پھر فرمایا: "اس کے لئے اپنے اعضاء دھوؤ"۔ انہوں نے ایک برتن میں چہرہ' ہاتھ' کہنیاں' گھٹنے' پاؤں اور تہہ بند کے اندر والا حصہ دھو کر (وہ پانی) دے دیا۔ وہ پانی حضرت سہل رضی اللہ عنہ پر

ڈالا گیا۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جس کو نظر لگی ہو' کوئی شخص پانی اس کے پیچھے کی طرف سے اس کے سر اور کمر پر ڈال دے۔ پھر برتن بھی اس کے پیچھے ہی الٹا کر کے رکھ دے۔ چنانچہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسے ہی کیا گیا تو وہ ٹھیک ٹھاک ہو کر لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ (۵۰)

موطأ امام مالک میں بھی حضرت ابو امامہ سے یہ واقعہ مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

"میرے والد حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے وادی خرار میں غسل کیا۔ انہوں نے جبہ پہنا ہوا تھا۔ جب انہوں نے (غسل کرنے کے لئے) جبہ اتارا تو عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے۔ سہل رضی اللہ عنہ کا رنگ گورا اور جلد خوش رنگ تھی۔ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اس جیسی جلد تو کبھی کسی کنواری لڑکی کی بھی نہیں دیکھی"۔ سہل رضی اللہ عنہ کو وہیں بخار چڑھ گیا' اور بخار بھی زور کا چڑھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ سے کسی نے آکر عرض کیا "سہل رضی اللہ عنہ کو بخار ہو گیا ہے اور وہ آپ کے ساتھ نہیں جا سکیں گے"۔ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے عامر رضی اللہ عنہ کی بات بتائی۔ آنحضرت ﷺ نے (حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا : "ایک شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ تو نے برکت کی دعا کیوں نہ دی؟ نظر یقیناً حق ہے' اس کے لئے وضو کرو"۔ عامر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے وضو کیا۔ چنانچہ سہل رضی اللہ عنہ ٹھیک ٹھاک ہو کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ (۵۱)

اس واقعہ میں مندرجہ ذیل فوائد ہیں :

— جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف پہنچنے کا سبب بنا ہو' تربیت کرنے والا اس پر ناراضگی کا اظہار کر سکتا ہے۔

— غلطی سے نقصان پہنچتا ہے اور بعض اوقات کوئی غلطی کسی کی جان بھی لے سکتی ہے۔

— ایسی تدبیر بتانا' جس سے مسلمان کو پہنچنے والے نقصان یا تکلیف کا سدِّباب ہو جائے۔

۱۴) غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب کرنے کے بجائے عمومی وضاحت پر اکتفا کرنا :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "کیا وجہ

ہے کہ کچھ لوگ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہیں؟" حضور علیہ السلام نے اس بارے میں سختی سے تنبیہہ فرمائی' حتیٰ کہ ارشاد فرمایا : "وہ ضرور ضرور اس حرکت سے باز آ جائیں' ورنہ ان کی آنکھیں چھین لی جائیں گی"۔ (۵۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لونڈی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا۔ ان کے مالکوں نے اس شرط پر بیچنے پر رضامندی ظاہر کی کہ وِلاء (۵۳) ان لوگوں کی ہو گی۔ جب نبی اکرم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ پھر فرمایا : "کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ ایسی شرائط عائد کرتے جو اللہ کی کتاب (یعنی شریعت) میں نہیں ہیں؟ جو بھی شرط اللہ کی کتاب میں نہیں وہ کالعدم ہے' اگرچہ سو شرطیں ہوں۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ درست ہے اور اللہ کی (بیان کی ہوئی) شرط زیادہ پختہ ہے۔ (قانون یہ ہے کہ) ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے۔" (۵۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا' اور اس کی اجازت دی' لیکن کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کیا۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا : "کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کام سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں؟ اللہ کی قسم! میں اللہ کے بارے میں ان سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں (کہ کونسا کام اللہ کو پسند ہے اور کون سا نہیں) اور ان سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہوں"۔ (۵۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی طرف بلغم لگا دیکھا۔ آپؐ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا : "کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اس کے چہرے کی طرف تھوک دیتا ہے؟ کیا کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے سامنے آ کر اس کے چہرے پر تھوک دیا جائے؟ جب کسی کو بلغم پھینکنا ہو تو بائیں طرف اپنے پاؤں کے نیچے پھینکے' ورنہ اس طرح کر لے۔" (حدیث کے راوی قاسمؒ نے بتایا کہ صحابی نے کپڑے میں تھوک کر اسے مسل کر بتایا)۔ (۵۶)

سنن نسائی میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے صبح کی نماز پڑھی اور اس میں

سورۂ روم کی تلاوت کی 'آپ' کو قراءت میں التباس ہو گیا۔ جب حضور علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا : "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور وضو اچھی طرح نہیں کرتے؟ قرآن میں یہی لوگ ہمیں مشابہ ڈالتے ہیں"۔ (۵۷)

اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں مشترک چیز یہ ہے کہ غلطی کرنے والے کو شرمندہ نہ کیا جائے۔ غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب نہ کرنے اور اشارہ سے اس کی غلطی واضح کرنے کے اس اسلوب میں بہت سے فائدے ہیں' جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

۱) غلطی کرنے والے کی طرف سے منفی رد عمل کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اس طرح شیطان اس کے انتقامی جذبات کو ہوا دے کر انتقام کی طرف مائل نہیں کر سکتا۔

۲) اس اسلوب کو زیادہ قبول کیا جاتا ہے اور دل پر اس کا زیادہ گہرا اثر ہوتا ہے۔

۳) اس سے غلطی کرنے والے کی پردہ پوشی ہوتی ہے۔

۴) غلطی کرنے والے کے دل میں نصیحت کرنے والے کی قدر و منزلت اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ تعریض کے اس اسلوب کا مقصد یہ ہے کہ غلطی کرنے والے کو رسوا کئے بغیر مسئلہ سمجھا دیا جائے' لہٰذا یہ اسلوب اس وقت استعمال کرنا چاہئے جب اس کی غلطی عام لوگوں سے پوشیدہ ہو۔ لیکن اگر اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو' اور اسے معلوم ہو کہ اکثر لوگ یہ بات جانتے ہیں' تو اس صورت میں یہ اسلوب سخت زجر و توبیخ کا حامل اور غلطی کرنے والے کے لئے سخت تکلیف دہ بن جاتا ہے' بلکہ بعض اوقات تو وہ یہ تمنا کرنے لگتا ہے کہ کاش اسے براہ راست تنبیہہ کر دی جاتی' اور اس کے ساتھ یہ اسلوب اختیار نہ کیا جاتا۔ اس کی تاثیر میں اس سے بھی فرق پڑتا ہے کہ بات کہنے والا کون ہے؟ اور کس کے سامنے بات کی جا رہی ہے؟ اور بات نصیحت اور خیر خواہی کے انداز سے کہی گئی ہے یا تنگ کرنے کے انداز سے؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بالواسطہ کلام کا یہ انداز تربیت کا ایسا انداز ہے جس سے غلطی کرنے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی' بشرطیکہ اسے استعمال کرتے ہوئے

حکمت سے کام لیا جائے۔

۱۵) غلطی کرنے والے کے خلاف رائے عامّہ کو بیدار کرنا

یہ طریقہ بعض خاص حالات میں ہی استعمال کیا جاسکتا ہے' اور اس کے لئے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کے بہت زیادہ منفی اثرات نہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ سے اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پڑوسی کی شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "جاؤ' صبر کرو"۔ وہ دو تین دفعہ شکایت لے کر حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا : "جاؤ' اپنے گھر کا سامان راستے میں ڈال دو"۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ (گزرنے والے) لوگ اس سے پوچھتے' وہ وجہ بتا دیتا۔ لوگ پڑوسی کو برا بھلا کہتے' اللہ اس کے ساتھ یوں یوں کرے۔ آخر پڑوسی نے آکر اسے کہا : (اپنے گھر میں) واپس آجاؤ' آئندہ مجھ سے کوئی ایسی حرکت نہیں ہوگی جو تمہیں ناگوار ہو۔ (۵۸)

اس کے برعکس ایک دوسرا اسلوب ہے' جو اور قسم کے حالات میں' اور دوسرے قسم کے افراد کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے کو عام لوگ ناجائز طور پر تنگ نہ کریں۔ اس کی وضاحت آئندہ نکتہ سے ہوتی ہے۔

۱۶) غلطی کرنے والے کے خلاف شیطان کی مدد کرنے سے پرہیز :

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک آدمی تھا' اس کا نام تو عبداللہ تھا' لیکن حمار کے لقب سے معروف تھا۔ وہ (دل لگی کی باتیں کر کے) آنحضرت ﷺ کو خوش کردیا کرتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے شراب نوشی کی سزا کے طور پر کوڑے بھی مارے تھے۔ ایک بار (پھر) اسے حاضر کیا گیا۔ (کیونکہ اُس نے پھر شراب پی لی تھی) آنحضرت ﷺ کے حکم سے اسے کوڑے مارنے گئے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا : اے اللہ! اس پر لعنت کر' اسے کتنی بار (اس جرم میں پکڑ کر) لایا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا : "اسے لعنت نہ کرو' جہاں تک مجھے علم ہے وہ اللہ اور اس کے رسول

سے محبت رکھتا ہے"۔ (۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی کو حاضر کیا گیا جو نشے میں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اسے مارا جائے۔ ہم میں سے کسی نے اسے ہاتھ سے مارا' کسی نے جوتے سے مارا' کسی نے کپڑے سے مارا۔ جب وہ (سزا پا کر) واپس ہوا' تو (حاضرین میں سے) کسی نے کہا: "اسے کیا ہے؟ اللہ اسے رسوا کرے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔" (۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی کو حاضر کیا گیا جس نے شراب پی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: "اسے مارو"۔ صحابی فرماتے ہیں: "ہم میں سے کسی نے اسے ہاتھ سے مارا' کسی نے جوتے سے' کسی نے کپڑے سے۔ جب وہ (سزا پا کر) واپس ہوا تو کسی نے کہا: "اللہ اسے رسوا کرے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یوں نہ کہو' اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو"۔ (۶۱)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے ڈانٹ ڈپٹ کرو"۔ لوگ اس سے کہنے لگے: تو اللہ سے نہ ڈرا؟ تو نے اللہ کا خوف نہ کیا؟ تجھے رسول اللہ ﷺ سے شرم نہ آئی؟ پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس روایت میں ہے: "یوں کہو: اے اللہ اسے بخش دے' اے اللہ اس پر رحم کر"۔ (۶۲)

ایک روایت میں ہے: جب وہ واپس ہوا' تو لوگوں میں سے کسی نے کہا: اللہ تجھے رسوا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسے نہ کہو' اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو' بلکہ یوں کہو: بلکہ اللہ تجھ پر رحم کرے"۔ (۶۳)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جب کسی گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے تو اس وقت بھی وہ مسلمان رہتا ہے' اور اس کے دل میں بنیادی طور پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت باقی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے ایمان اور اللہ سے محبت کا انکار درست نہیں' نہ اسے ایسی بد دعا دینی درست ہے جس کے نتیجہ میں اس کے خلاف شیطان کو مدد ملے' بلکہ اس کے لئے ہدایت' مغفرت اور رحمت کی دعا کرنی چاہئے۔

۱۷) غلط کام سے رُک جانے کو کہنا :

ایک بڑی اہم چیز یہ بھی ہے کہ غلطی کرنے والے کو غلطی کرتے چلے جانے سے منع کر دیا جائے' تاکہ وہ مزید غلطیوں کا مرتکب نہ ہو' اور برائی سے روکنے کا فریضہ بلا تاخیر انجام پا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے (کسی بات میں) یوں کہہ دیا: "قسم ہے میرے باپ کی"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رک جایئے' جو شخص اللہ کے سوا کسی چیز کی قسم کھاتا ہے' وہ شرک کرتا ہے۔"(۶۴)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن نبی اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "بیٹھ جا' تو نے (دوسروں کو) تکلیف پہنچائی ہے"۔(۶۵)

امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں ڈکار لی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اپنی ڈکار روکو' جو لوگ دنیا میں زیادہ پیٹ بھرتے ہیں' قیامت کے دن وہ زیادہ دیر تک بھوکے رہیں گے۔"(۶۶)

ان احادیث میں غلطی کرنے والے کو براہ راست یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کام سے رک جائے' اور باز رہے۔

۱۸) اصلاح کے لئے غلطی کرنے والے کی رہنمائی :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لئے کئی انداز اختیار فرمائے ہیں' جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

○ غلطی کرنے والے کی توجہ غلطی کی طرف مبذول کرانا' تاکہ وہ خود ہی اصلاح کر لے۔

اس کی ایک مثال حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ ایک واقعہ ہے۔ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے' دیکھا کہ

ایک شخص مسجد کے درمیان میں انگلیوں میں انگلیاں ڈالے اپنے خیالات میں کھویا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اُسے اشارہ سے متنبہ کیا' اسے اپنی غلطی کی سمجھ نہ آئی۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: "جب کوئی شخص نماز پڑھے تو اسے اپنی انگلیوں میں انگلیاں نہیں ڈالنا چاہئیں۔ یہ عمل شیطان کی طرف سے ہے۔ اور آدمی جب تک مسجد میں رہتا ہے' وہ باہر جانے تک نماز ہی میں ہوتا ہے۔"(۶۷)

○ غلط کام کو دوبارہ صحیح طریقے سے انجام دینے کا حکم' بشرطیکہ یہ ممکن ہو :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا: جناب رسول اللہ ﷺ مسجد میں ایک طرف تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا' نماز پڑھی' پھر آکر آنحضرت ﷺ کو سلام عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا : "وعلیکم السلام' جاکر دوبارہ نماز پڑھو' تم نے نماز نہیں پڑھی"۔ اُس نے جاکر دوبارہ نماز پڑھی' پھر (نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں) حاضر ہوا اور سلام کہا۔ آپؐ نے فرمایا: وعلیکم السلام' جاکر دوبارہ نماز پڑھو' تم نے نماز نہیں پڑھی"۔ دوسری یا تیسری دفعہ میں اُس نے عرض کیا : اللہ کے رسول! مجھے سکھا دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو (اچھی طرح سنوار کر) کامل وضو کر' پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہہ' پھر تجھے جو قرآن یاد ہے اس میں سے جو آسان معلوم ہو پڑھ لے' پھر رکوع کر' حتیٰ کہ تو اطمینان سے رکوع کر لے۔ پھر سر اٹھا حتیٰ کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے' پھر سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کر لے' پھر سر اٹھا' حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جائے' پھر سجدہ کر' حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کر لے' پھر سر اٹھا حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جائے' پھر پوری نماز میں اسی طرح کر۔"(۶۸)

قابل توجہ امور :

○ نبی اکرم ﷺ اپنے اردگرد کے لوگوں کے کاموں کو توجہ سے ملاحظہ فرماتے تھے' تاکہ انہیں تعلیم دے سکیں۔ نسائی کی روایت میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے : "ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ اسے دیکھ رہے تھے لیکن ہمیں محسوس نہ ہوا۔ جب وہ (نماز سے) فارغ ہوا تو اُس نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو سلام عرض کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جاکر دوبارہ نماز پڑھو' تم نے نماز نہیں پڑھی... الخ" لہٰذا تربیت دینے والے میں یہ خوبی ہونی چاہئے کہ اپنے ساتھیوں کے افعال سے غافل نہ ہو۔

○ تعلیم کی حکمت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ غلطی کرنے والے کو وہی کام دوبارہ کرنے کو کہا جائے۔ ممکن ہے وہ اپنی غلطی سمجھ جائے اور خود ہی اس کی اصلاح کرلے' بالخصوص جبکہ غلطی واضح ہو جو اس جیسے شخص سے نہیں ہونی چاہئے۔ ممکن ہے وہ بھول گیا ہو اور دوبارہ کرتے ہوئے اسے یاد آجائے۔

○ اگر غلطی کرنے والا اپنی غلط خود نہ سمجھ سکے تو تفصیل سے بیان کر دینا ضروری ہے۔

○ جب کوئی شخص کسی مسئلہ کو جاننے کی خواہش کرے' اس کے بارے میں سوال کرے' اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہو' اس وقت مسئلہ بتانے سے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ پختگی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر سوال کئے بغیر اور شوق پیدا ہوئے بغیر معلومات دی جائیں تو اس قدر فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

تعلیم کے بہت سے ذرائع ہیں' استاد حالات کے مطابق کوئی بھی مناسب ذریعہ اختیار کر سکتا ہے۔

غلط کام کو دوبارہ نئے سرے سے صحیح انداز سے کرنے کا حکم دینے کی ایک اور مثال صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا: مجھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک آدمی نے وضو کیا' اس کے پاؤں پر ایک ناخن برابر جگہ خشک رہ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھ لیا اور فرمایا: "واپس جاکر اچھی طرح وضو کرو"۔ وہ واپس گیا (اور وضو کیا) پھر نماز پڑھی۔ (۶۹)

ایک اور مثال سنن ترمذی کی حدیث ہے جو حضرت کلدہ بن حنبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کچھ دودھ' کھیس (۷۰) اور ضغابیس (۷۱) دے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور ﷺ اس وقت وادی کے بلند حصے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت کلدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سلام کئے اور اجازت لئے بغیر اندر

حضور ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "واپس جاؤ' اور کہو : السلام علیکم 'کیامیں اندر آجاؤں؟"(۷۲)

○ غلطی کی اصلاح کے لئے ممکن تلافی کا حکم دینا :

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "کوئی مرد کسی نامحرم عورت کے ساتھ اکیلا نہ رہے"۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! میری عورت حج کے لئے روانہ ہو گئی ہے اور میں نے فلاں غزوہ میں نام لکھوا دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "واپس جا کر اپنی بیوی کے ساتھ حج ادا کر"۔ (۷۳)

○ غلطی کے آثار کی اصلاح :

سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا : "میں ہجرت کی بیعت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں' اور اپنے والدین کو روتے چھوڑ کر آگیا ہوں"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "واپس جاؤ' اور جس طرح انہیں رُلایا ہے' اسی طرح انہیں ہنساؤ"۔ (۷۴)

○ غلطی کا کفّارہ ادا کرنا :

بعض غلطیاں ایسی ہیں جن کا ازالہ ناممکن ہے۔ شریعت نے ان کے اثرات ختم کرنے کے لئے دوسرے طریقے مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ کفارہ کی ادائیگی بھی ہے۔ کفارے کی بہت سی قسمیں ہیں' مثلاً قسم کا کفارہ' ظہار کا کفارہ' قتل خطا کا کفارہ' رمضان کے روزہ کے دوران ازدواجی اختلاط کا کفارہ' وغیرہ۔

(جاری ہے)

حواشی

(۵۰) مسند احمد ۴۸۶/۳۔ ہیثمی نے فرمایا: "احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں"۔ (مجمع ۱۰۷/۵)۔

(۵۱) موطا امام مالک' حدیث ۱۹۷۲ (۵۲) صحیح بخاری' حدیث ۵۰۰۷

(۵۳) آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے کا باہمی تعلق "ولاء" کہلاتا ہے۔ آزاد ہونے کے بعد

غلام اسی خاندان کا فرد شمار کیا جاتا ہے جس خاندان سے آزاد کرنے والے کا تعلق ہو۔ چنانچہ آزاد ہونے والا جب فوت ہو' تو اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو یہی آزاد کرنے والا اس کا وارث ہوتا ہے۔

(۵۴) یہ واقعہ صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر مروی ہے۔ دیکھئے فتح الباری: ۲۴۳۶

(۵۵) فتح الباری : ۷۱۰۱ (۵۶) صحیح مسلم' حدیث ۵۵۰

(۵۷) سنن نسائی ۱۵۶/۴۔ اس سے ملتے جلتے الفاظ میں مسند احمد ۳/ ۴۷۳ میں بھی مروی ہے۔

(۵۸) سنن ابوداؤد' کتاب الادب باب حق الجوار' حدیث ۵۱۵۳۔ صحیح ابی داؤد' حدیث ۴۲۹۲

(۵۹) صحیح بخاری۔ فتح الباری : ۶۷۸۰ (۶۰) صحیح بخاری۔ فتح الباری : ۶۷۸۱

(۶۱) صحیح بخاری۔ فتح الباری : ۶۷۷۷

(۶۲) سنن ابی داؤد' کتاب الحدود' باب الحد فی الخمر/۴ ۱۴۰' حدیث ۴۴۸۷۔ محدث البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے : صحیح سنن ابی داؤد' حدیث ۳۷۵۹

(۶۳) مسند احمد۔ تحقیق احمد شاکر ۲/ ۳۰۰' حدیث ۳۹۷۳۔ احمد شاکر نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے۔

(۶۴) مسند احمد ۱/ ۴۷۔ احمد شاکر نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے۔ (حدیث ۳۲۹)۔

(۶۵) سنن ابی داؤد' حدیث ۱۱۱۸۔ صحیح ابی داؤد حدیث ۹۸۹

(۶۶) سنن ترمذی' حدیث ۴۴۸۷۔ سلسلہ احادیث صحیحہ' حدیث ۳۴۳

(۶۷) مسند احمد ۳/ ۵۴۔ ہیثمی نے فرمایا: اس کی سند حسن ہے (مجمع ۲/ ۲۵)۔

(۶۸) یہ حدیث صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں مروی ہے۔ یہاں ذکر کردہ الفاظ صحیح بخاری کی حدیث ۱۲۵۱ کے مطابق ہیں۔

(۶۹) صحیح مسلم' حدیث ۲۴۳

(۷۰) گائے بھینس وغیرہ کا گاڑھا گاڑھا دودھ جو بچہ پیدا ہونے پر تین روز تک نکلتا ہے۔ (پنجابی: بوہلی)

(۷۱) کھیرے یا ککڑی کی قسم کی ایک چھوٹی چیز۔

(۷۲) سنن ترمذی' حدیث ۲۰۱۷۔ صحیح سنن ترمذی' حدیث ۲۱۸۰

(۷۳) فتح الباری : ۵۲۳۳

(۷۴) سنن نسائی ۷/ ۱۴۳۔ امام البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح سنن نسائی : ۳۸۸۱)

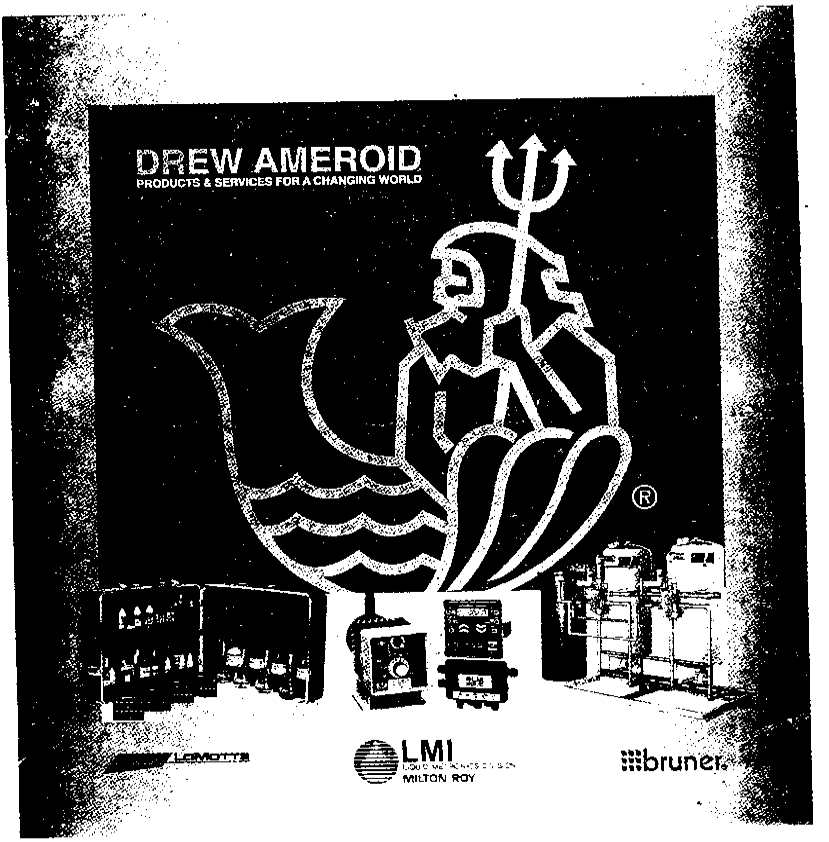

ORIENT WATER SERVICES (PVT) LTD.

THE INDUSTRIAL WATER TREATMENT COMPANY

KARACHI
Tel: 453-3527 453-9535
Fax: 454-9524

LAHORE
Tel: 712-3553 722-5860
Fax: 722-7938

ISLAMABAD
Tel: 273168 277113
Fax: 275133

FAISALABAD
Tel: 634626
Fax: 634922

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

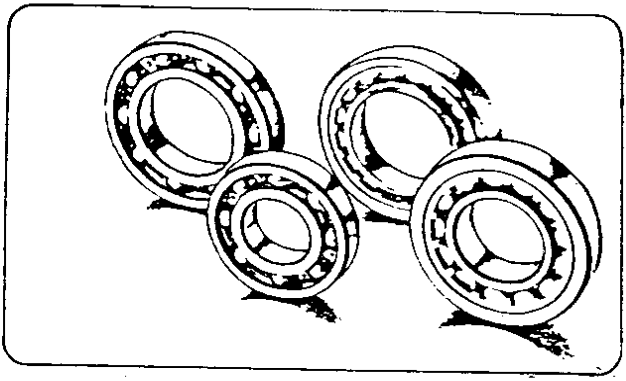

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

. FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)** Amin Arcade 42,
Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road,
Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 46 No. 7
July 1998

FOTO SCAN PH;7234042-7111906